ابوعکاشہ رحمٰن کی کتاب

تاریخ کے قاتل

حقائق کے آئینے میں

ڈاکٹر ابوہشام قاسمی

ابو عکاشہ رحمان کی کتاب

'تاریخ کے قاتل'

حقائق کے آئینے میں

دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ

کے رد میں لکھی جانے والی کتاب کا سنجیدہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ

ڈاکٹر ابوہشام قاسمی

تفصیلات کتاب

نام کتاب:	'تاریخ کے قاتل' حقائق کے آئینے میں
مصنف:	ڈاکٹر ابوہشام قاسمی
سن اشاعت:	نومبر 2019
صفحات:	200
طابع:	عذرا بک ٹریڈرس، دریاگنج، دہلی

دیوبند کے کتب خانوں پر دست یاب ہے

فہرست مضامین

تفصیلات کتاب 2
تمہید 8
تاریخ کے قاتل کا تجزیاتی مطالعہ 12
تاریخ کے قاتل کی ضخامت 12
سرورق: کتاب کا نام اور بلند بانگ دعوے 16
صفحہ ۳۰: پہلا اشکال "جامع و مختصر" پر 17
دیوبند کی اہم شخصیات کو نظر انداز کرنے کے الزام کی حقیقت 21
تاریخ دارالعلوم کو مسترد کرنے کا مفروضہ اور اس کی حقیقت 24
عرض مرتب میں 'تاریخ دارالعلوم' کا ذکر 26
ص۳۸ تا ۴۱: حوالے کا معاملہ 27
ص ۴۲ تا ۵۶: حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کو نظر انداز کیا گیا؟ 28
اکابر ستہ کیوں، اکابر تسعہ کیوں نہیں؟ 32
ص۵۶ تا ۶۰: لفظ 'بچہ' اور 'پہلا' پر اعتراض 34
ص۶۰ تا ۶۱: قیام دارالعلوم تاریخ ۳۱ مئی کیوں؟ 35
ص۶۱ تا ۱۴۰: حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا دور اہتمام 36
ص ۱۴۲: شیخ الہند کے والد کے انتقال کی خبر 44
ص ۱۴۲: مولانا رشید احمد گنگوہی کے نام کے ساتھ القاب نہیں 45
حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کے ساتھ تفصیلات نہیں لکھی گئیں 45

ص ۱۴۲: مولانا اسعد مدنی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیوں ہے؟ 46
حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت تھانوی کے انتقال کی خبر نہیں ہے 47
ص ۱۴۴: دارالحدیث فوقانی اور حضرت مدنی 47
ص ۱۴۵ تا ۱۴۷: حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی تاریخ وفات 49
ص ۱۴۵: حضرت مدنی کی تاریخ وفات اور شخصیت پرستی کا الزام 49
ص ۱۴۷ تا ۱۵۱: جامعہ طبیہ کی تحلیل کا قضیہ 51
ص ۱۵۱: حضرت مولانا محمد میاں کے انتقال کی خبر 53
دارالعلوم دیوبند کا موجودہ دور 53
ص ۱۵۸ تا ۱۶۵: دارالعلوم کی تعلیمی ترقی 54
ص ۱۶۶ تا ۲۱۹: دارالعلوم کے اختلافات کا ذکر مختصر کیوں؟ 57
دارالعلوم دیوبند کا دستور اساسی 62
دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ 63
مہتمم دارالعلوم دیوبند 64
اختلافات دارالعلوم اور مولانا اسعد مدنی 64
دارالعلوم دیوبند کا قضیہ عوام کی عدالت میں 65
(از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی) 65
اختلافات کے متعلق حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری کا تجزیہ 104
اراکین شوریٰ پر 'تاریخ کے قاتل' کے سنگین الزامات 105
ص ۲۲۰: 'غیر آئینی اقدامات' کا معاملہ 107
ص ۲۲۳ تا ۲۸۲: مفتی عتیق الرحمن عثمانی کے نام کے ساتھ حضرت نہیں لکھا گیا؟ 108

ص۲۸۳ تا ۲۹۰: مولانا وحید الزماں کیرانوی کی علیحدگی 111
ص۲۹۱ تا ۴۵۰: حضرت مولانا سید اسعد مدنی 111
ص۴۵۴: نودرہ کی عمارت کے ذیل میں مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام ذکر نہیں؟......... 116
ص۴۵۵: تعمیر مسجد قدیم کے ذکر میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا نام نہیں 117
ص۴۵۶ تا ۴۷۲: تعمیر دارالحدیث کے ذکر میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا نام نہیں
.... 117
ص۴۷۳ تا ۴۸۱: ریلوے اسٹیشن کی مسجد کی تعمیر کے ذکر میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا نام نہیں 118
'عکس احمد' بھی ملاحظہ فرمالیں 119
ص۴۷۶: اکابر علماء کا مذاق 119
ص۴۸۱ تا ۶۹۹: ابوعکاشہ صاحب کا مودودیت کا دفاع 121
حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کا فتوی 124
حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی کا فتوی 125
ص۷۰۰: مشائخ کی فہرست 131
ص۷۰۱ تا ۷۰۲: ہندی ترجمہ قرآن اور حضرت مولانا ارشد مدنی 132
ص۷۰۲: متعلقات قرآن اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی 132
ص۷۰۲ تا ۷۰۳: شراح حدیث میں مولانا عامر عثمانی کا نام نہیں 133
ص۷۰۳: تفہیم المسلم کا نام شروح حدیث میں نہیں 134
ص۷۰۳: بے ترتیبی کے الزام کی حقیقت 134
ص۷۰۴: مفتیان میں مفتی عتیق الرحمن عثمانی کا نام نہیں 135
ص۷۰۶ تا ۷۰۸: تجلی کا نام جرائد کی فہرست میں نہیں 136

ص۷۰۸ تا ۷۰۹: جمیعۃ علمائے ہند اور جدوجہد آزادی 139
ص۷۰۹ تا ۷۱۲: جمیعۃ علمائے ہند اور تقسیم ہندوستان کی مخالفت 140
ص۷۱۲ تا ۷۱۵: مفتی عتیق الرحمن عثمانی اور جمیعۃ علمائے ہند 141
ص۷۱۶: زبیر افضل عثمانی اور فہرست شعراء 142
ص۷۱۶ تا ۷۱۸: شخصیات کے ناموں کی ترتیب پر اعتراض 143
ص۷۱۸ تا ۷۱۹ : دور اول کے علماء کی فہرست پر دوسرا اعتراض 147
ص۷۱۹ تا ۷۲۲ : دور ثانی کے علماء کی فہرست پر اعتراض 148
ص ۷۲۲: دارالعلوم کے چار ادوار کی بنیاد کیا ہے؟ 151
ص ۷۲۲ تا ۷۳۱: علماء واکابر دارالعلوم کی فہرست 154
ص ۷۵۰: کن لوگوں کا نام آنا چاہیے تھا؟ 157
ص ۷۵۰ تا ۸۰۰: حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری اور ان کا عہد 158
مولانا ندیم الواجدی کی شہادت 159
ص ۸۰۱ تا ۸۰۹: مولانا اسعد مدنی کی چاپلوسی کے الزام کی حقیقت 162
ص ۸۱۰ تا ۸۵۸: جمیعۃ علمائے ہند اور مکالمۃ الصدرین 168
ص ۸۵۹ : 'تاریخ کے قاتل' کے ماخذ و مراجع 169
'تاریخ کے قاتل': ایک عمومی جائزہ 171
عثمانی خانوادے سے بغض وحسد کی حقیقت 171
عثمانی خاندان کو نظر انداز کرنے کا الزام بے بنیاد اور غیر منصفانہ 177
تاریخ کے قتل کے الزام کی حقیقت 179
جمیعۃ علمائے ہند اور مولانا سید اسعد مدنی 180

علماء واکابر کی شان میں گستاخی 182
جناب ابو عکاشہ رحمان صاحب سے ایک دردمندانہ گزارش 182
'تاریخ دارالعلوم دیوبند' کا ایک تنقیدی جائزہ 185
پہلی خامی: دارالعلوم کے قیام سے پہلے مؤسسین کے احوال 186
دوسری خامی: متعدد بنیادی اور اہم شخصیات کے احوال مذکور نہیں ہیں.................... 187
تیسری خامی: پوری کتاب میں سرپرستان دارالعلوم پر کوئی مستقل عنوان نہیں اور ایک سرپرست کے احوال مذکور نہیں 188
چوتھی خامی: بانیان دارالعلوم کا کوئی مستقل عنوان نہیں 189
پانچویں خامی: فضلائے دارالعلوم کا ذکر پہلے اور صدر مدرسین، ارباب اہتمام وغیرہ کا ذکر بعد میں 189
چھٹی خامی: تاریخ دارالعلوم میں ۱۵ (پندرہ) شخصیات کے احوال مکرر ہیں.................... 190
ساتویں خامی: طویل المدت اساتذۂ درجۂ علیا کے احوال بھی شامل کتاب نہیں 191
آٹھویں خامی: اراکین مجلس شوریٰ کی نہ فہرست ہے اور نہ ہی اہم اراکین کے احوال مذکور ہیں 194
دیگر خامیاں 194
خلاصۃ الکلام 196
'دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ' کا سرسری جائزہ 197
مآخذ و مراجع.. 200

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

حامداً و مصلیاً و مسلّماً، اما بعد

اللھم ألھمنا مراشد أمورنا وأعذنا من شرور أنفسنا

کئی ماہ قبل سوشل میڈیا کے ذریعہ 'تاریخ کے قاتل' نامی کتاب کا علم ہوا، جس کے سر ورق پر لکھا ہوا تھا کہ یہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع شدہ کتاب 'دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ' کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ہے۔ کتاب دستیاب ہوئی تو دیکھا کہ تقریباً ساڑھے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ عجیب بات ہے کہ 'جامع و مختصر تاریخ' ساڑھے سات سو صفحات کی ہے اور اس کا جائزہ ساڑھے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف کتاب ابوعکاشہ رحمان نامی کوئی مجہول شخص ہیں اور کتاب کی طباعت حیدرآباد کے پتے سے ہوئی ہے۔

میرے ریسرچ و تحقیق کا موضوع دارالعلوم دیوبند سے مربوط ہے، میں نے سید محبوب رضوی کی 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' اور مولانا محمد اللہ قاسمی کی 'دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ' پڑھ رکھی ہے۔ جناب ابوعکاشہ صاحب کی 'تاریخ کے قاتل' آنے کے بعد تجسس ہوا کہ اسے بھی دیکھا جائے، لیکن اسے دیکھ کر صرف مایوسی حصے میں آئی، وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا۔

تاہم محسوس ہوا کہ اگر کوئی خالی الذہن شخص اس کتاب کو پڑھے گا اور جامع و مختصر تاریخ اس کے سامنے نہیں ہوگی تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے گا۔ دوسری طرف یہ بھی محسوس ہوا کہ شاید ارباب دارالعلوم دیوبند اپنی سنجیدگی و متانت کی بنیاد

پر اس جیسی کتاب کے جواب کی طرف توجہ نہ دیں؛ کیوں کہ یہ کتاب نہایت سطحی، غیر معیاری بلکہ الزام و اتہام اور عداوت و عناد سے پُر ہے۔ ایسی دشنام طرازیوں اور ہرزہ سرائیوں کے سلسلے میں حکیمانہ اور شریفانہ طرز عمل وہی ہے جسے شاعر (مرزا بیدل) نے یوں بیان کیا ہے:

دشنام اگر دہد خسیسے، چارہ نہ بود بہ جز شنیدن
گر پائے کسے سگے گزیدہ، سگ راں نتواں عوض گزیدن

لیکن ایک درجے میں بعض قارئین کا اس سلسلے میں غلط فہمی میں پڑنے کا امکان موجود ہے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ اس پر کسی قسم کا کوئی نقد و تبصرہ موجود نہ ہو؛ اس لیے ضروری سمجھا کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے ادنی فرزند ہونے کی حیثیت سے 'تاریخ کے قاتل' کا نہایت مختصر انداز میں حقیقت پسندانہ تجزیہ پیش کر دوں، تاکہ اس کتاب سے پیدا ہونے والی امکانی غلط فہمیوں کا تدارک ہو سکے۔ بالآخر یہ عجالہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں، اس شعر کے ساتھ:

تا دست رسم بود زدم چاک گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ نہ دارم

اس تحریر میں یہ کوشش کی جائے گی کہ 'تاریخ کے قاتل' کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا جائے اور صاحب کتاب نے 'دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ' کو غیر معتبر اور اس کو 'تاریخ کا قتل' قرار دینے کا جو دعوی کیا ہے اس کا واقعی و حقیقی تجزیہ پیش کیا جائے۔ ' جامع و مختصر تاریخ' کو بہانہ بنا کر جناب ابو عکاشہ صاحب نے دارالعلوم اور اس سے وابستہ اکابر شخصیات کو بھی نشانہ بنایا ہے اور ان پر کیچڑ اچھالا ہے، نہایت اختصار کے ساتھ یہ موضوعات بھی آ گئے ہیں، لیکن بنیادی توجہ 'جامع و مختصر تاریخ' کے اوپر کیے جانے والے اعتراضات و اشکالات اور الزامات کی طرف کی گئی ہے۔ جناب ابو عکاشہ صاحب کا اصل مقصد بہ ظاہر ان شخصیات کو مجروح کرنا اور

دارالعلوم کی عزت و عظمت پر بٹہ لگانا ہے۔ لہٰذا، اگر جامع و مختصر تاریخ کے سلسلے میں جناب ابو عکاشہ صاحب کے الزامات ہباءً منثوراً ثابت ہورہے ہیں تو سمجھا جاسکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند اور اکابر علماء وغیرہ پر ان کے دیگر اشکالات واتہامات میں کتنا دم ہوگا۔

اس جائزہ میں بنیادی طور پر تین کتابوں کو سامنے رکھا گیا ہے، ان کتابوں کی تفصیلات مع سن اشاعت حسب ذیل ہیں:

(۱) تاریخ کے قاتل، مصنفہ ابو عکاشہ رحمان، طباعت: اے پی آفسیٹ پریس حیدرآباد، سن اشاعت: جنوری ۲۰۱۹ء، **کل صفحات ۸۶۰**۔ **معلوم ہوا ہے کہ اس کتاب** کا دوسرا ایڈیشن بھی آگیا ہے جس میں مرتب کا نام صرف 'ابو عکاشہ' درج ہے، 'رحمان' کا لاحقہ حذف کردیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ سہولت کی خاطر زیر بحث مسئلہ میں عنوان کے ساتھ تاریخ کے قاتل کا صفحہ نمبر بھی لکھ دیا گیا ہے۔

(۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند، مرتبہ سید محبوب رضوی، طابع و ناشر: ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند، طباعت جلد اول ۱۹۹۲ء، **کل صفحات ۵۴۴**، طباعت جلد دوم ۱۹۹۳ء **کل صفحات ۴۶۴**۔ اس کتاب کو ہم اس تحریر میں کہیں کہیں اختصاراً محض 'تاریخ دارالعلوم' لکھیں گے۔

(۲) دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، مرتبہ مولانا محمد اللہ قاسمی، ناشر: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند، اشاعت دوم، دسمبر ۲۰۱۶ء، **کل صفحات ۷۵۲**۔ ہم اس کتاب کو اس تحریر میں اختصاراً محض 'جامع و مختصر تاریخ' کے نام سے یاد کریں گے۔

اس رسالہ میں بنیادی طور پر 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' اور 'دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ' کو سامنے رکھا گیا ہے اور دونوں کی عبارتوں کے درمیان تقابل بھی کیا گیا ہے، کیوں کہ اس سے ان اعتراضات واتہامات کی حقیقت تک بآسانی واضح ہوسکتی ہے جن پر جناب ابو عکاشہ صاحب نے اپنے دعاوی کی بنیاد قائم کی ہے اور اس کو تاریخ کا قتل قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب 'دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی' کو بھی سامنے رکھا گیا ہے تاکہ جناب ابوعکاشہ کے دعاوی و الزامات کی حقیقت اور جامع و مختصر تاریخ کی معلومات محاکمہ کیا جاسکے۔

'تاریخ کے قاتل' کے جائزہ کے بعد، 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' (مرتبہ سید محبوب رضوی) کا بھی ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ہر انسانی کاوش میں قیل و قال کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے، لیکن محض اسی بنیاد پر اسے مسترد یا تاریخ کا قتل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اخیر میں 'دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ' کا ایک عمومی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے تاکہ اس کتاب کے مشمولات اور اس کی واقعی ضرورت کا صحیح ادراک ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کاوش کو قبول فرمائیں اور مادر علمی دارالعلوم دیوبند کو حاسدین کے شر اور فتنہ پردازوں کی سازشوں سے محفوظ فرماکر اس کی مقبولیت وافادیت میں مزید ترقی عطا فرمائیں۔

آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین!

(ڈاکٹر) ابوہشام قاسمی
۲۷ ر ربیع الاول ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۵ر نومبر ۲۰۱۹ء
drabuhishamqasmi@gmail.com

تاریخ کے قاتل کا تجزیاتی مطالعہ

آئندہ صفحات میں ہم جناب ابوعکاشہ رحمان صاحب کی کتاب 'تاریخ کے قاتل کا تجزیاتی مطالعہ پیش کریں گے۔ لیکن اس سے قبل کہ ہم مطالعہ کو آگے بڑھائیں سب سے پہلے اس کتاب کی ضخامت کا جائزہ لے لیتے ہیں تاکہ قاری کو یہ اطمینان ہو جائے کہ اس میں ان کا زیادہ قیمتی وقت ضائع نہیں ہو گا۔

تاریخ کے قاتل کی ضخامت

'تاریخ کے قاتل' ۸۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سے ایک عام قاری سرسری نظر میں بے حد متاثر ہو سکتا ہے کہ 'دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ' کو غیر معتبر ثابت کرنے میں کتنی ضخیم کتاب لکھی گئی ہے اور یہ ضرور حقائق پر مشتمل ہو گی۔ لیکن اس کتاب کے جائزہ سے پیشتر، آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کتاب میں مصنف کتاب جناب ابوعکاشہ رحمان صاحب کی تحریر بہ مشکل سو ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہو گی اور اس میں بھی جابہ جا بے حد تکرار اور بے جا طول و اطناب ہے۔ در اصل اس کتاب کی ضخامت ان رسائل و مضامین سے بڑھائی گئی ہے جو مصنف 'تاریخ کے قاتل' نے اپنی ذہنی اپج اور مزعومہ دعووں کے ثبوت کے طور پر شامل کتاب کیے ہیں۔ اس لیے کتاب کی ضخامت اور اس کے سائز پر نہ جا کر یہ دیکھنا ہے کہ اس کے مواد و مشمولات میں کتنا دم ہے اور وہ نقد و تحقیق کی کسوٹی پر کتنے کھرے اترتے ہیں۔

ہم نے کتاب میں شامل رسائل و مضامین کی فہرست تیار کی تو ان کی تعداد چوالیس (۴۴) تک پہنچی۔

ان رسائل و مضامین کا مواد مجموعی طور پر تقریباً ساڑھے چھ سو (۶۵۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ صرف طویل رسائل و مضامین کی فہرست ہے ورنہ صفحے دو صفحے کے اقتباسات کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

ذیل میں ان رسائل و مضامین کی فہرست پیش کی جارہی ہے:

شمار	مضمون / رسالہ	مصنف / حوالہ	از تا صفحہ	کل صفحات
۱	حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی اور کچھ تاریخی حقائق	کشکول عثمانی	۴۴تا۵۱	۸
۲	حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب	اکابر دیوبند کیا تھے؟	۶۹تا۷۱	۳
۳	روئداد سال سی و پنجم بابت ۱۳۱۷ھ بہ ماہ ستمبر ۱۹۰۰ء		۷۹تا۱۰۱	۲۲
۴	روئداد دارالعلوم بابت ۱۳۲۷ھ		۱۰۲- ۱۲۹	۲۷
۵	حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی		۱۳۲ - ۱۴۰	۹
۶	دارالعلوم سے میری سبک دوشی	مولانا وحید الزماں کیرانوی	۱۷۳تا۲۱۶	۴۳
۷	مفتی عتیق الرحمن عثمانی	مختلف علماء	۲۲۷تا۲۸۲	۵۵
۸	فیصلۂ سبک دوشی پر مولانا وحید الزماں کا ردعمل	مولانا وحید الزماں کیرانوی	۲۸۵تا۲۹۰	۶
۹	مولوی اسعد مدنی کی شخصیت واقعات و حقائق کی روشنی میں	تجلی، دسمبر ۱۹۶۵ء	۲۹۶تا۳۰۴	۹
۱۰	جمعیۃ علمائے ہند کا ماضی اور حال	عبد الخالق سہارن پوری	۳۰۵تا۳۱۶	۱۳
۱۱	جمعیۃ علمائے ہند کی صفوں میں پھیلی ہوئی سنگین کش مکش	مفتی عتیق الرحمن عثمانی	۳۱۹تا۳۳۱	۱۳
۱۲	ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ	تجلی، جون ۱۹۶۶ء	۳۳۲تا۳۳۷	۶
۱۳	اداریہ ماہنامہ تجلی، نومبر ۱۹۶۶ء	تجلی، نومبر ۱۹۶۶ء	۳۳۸تا۳۵۲	۱۵

۱۴	خط اور جواب خط از عامر عثمانی		۳۵۳تا۳۵۵	۳
۱۵	دو پوسٹر		۳۵۷تا۳۵۸	۲
۱۶	سنو تو سہی (مجلس مشاورت کے جلسے کا معاملہ)	تجلی، نومبر ۱۹۶۶ء	۳۵۹تا۳۷۹	۲۱
۱۷	واقعۂ دیوبند کے سلسلے میں مولانا محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم کا بیان		۳۸۰تا۳۸۱	۲
۱۸	تجلی	تجلی، دسمبر ۱۹۶۶ء	۳۸۲تا۴۱۸	۳۷
۱۹	حقائق جنھیں جھٹلایا جارہا ہے	تجلی، دسمبر ۱۹۶۶	۴۲۰تا۴۲۱	۲
۲۰	دارالعلوم دیوبند کا ہنگامہ، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا فیصلہ	تجلی، جنوری ۱۹۶۷	۴۲۲تا۴۲۴	۳
۲۱	ملت خور بزرگ	صادق صابری	۴۳۹تا۴۵۰	۱۲
۲۲	دارالحدیث	روداد ۱۳۳۰ھ	۴۶۱تا۴۶۶	۶
۲۳	تعمیر دارالحدیث	روداد ۱۳۲۹ھ	۴۶۸تا۴۷۱	۴
۲۴	دیوبند کے اسٹیشن پر عالی شان مسجد	روداد ۱۳۳۳ھ	۴۷۳تا۴۷۵	۳
۲۵	مودودی عقائد اور دستور کی حیثیت	تجلی اپریل ۱۹۵۶ء	۴۸۶تا۵۷۰	۸۵
۲۶	حضرت مہتمم صاحب کا مضمون...	تجلی، مئی ۱۹۵۶ء	۵۷۱تا۵۸۴	۱۴
۲۷	مسئلۂ پیدائش حوا رضی اللہ عنہا	تجلی، مئی ۱۹۵۶ء	۵۸۵تا۶۱۵	۳۱
۲۸	متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی	تجلی، مئی ۱۹۶۶ء	۶۱۶تا۶۱۹	۴
۲۹	مسجد سے میخانے تک	تجلی، مئی ۱۹۶۶ء	۶۲۰تا۶۲۲	۲
۳۰	علمائے دیوبند اور جماعت اسلامی کے اختلاف کا قضیہ	مولانا عامر عثمانی	۶۲۳تا۶۳۴	۱۱

۳۱	ایمان و عمل (حضرت مدنی) کا جواب	تجلی، فروری مارچ ۱۹۵۷ء	۶۳۵تا۶۹۱	۵۷
۳۲	ایمان و عمل کے بارے میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی رائے	تجلی، مئی ۱۹۵۷ء	۶۹۳تا۶۹۷	۵
۳۳	مولانا عامر عثمانی کا نثری جہان	نایاب حسن	۷۲۳تا۷۳۶	۱۳
۳۴	مولانا عامر عثمانی مرحوم سے وابستہ چند یادیں	پروفیسر عمر حیات غوری، بھٹکل	۷۳۶تا۷۴۷	۱۲
۳۵	دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمن کے نام کھلا خط	حسن الہاشمی	۷۵۳تا۷۵۷	۵
۳۶	دوسرا خط	حسن الہاشمی	۷۵۸تا۷۶۳	۶
۳۷	تیسرا خط	حسن الہاشمی	۷۶۴تا۷۷۴	۱۱
۳۸	چوتھا خط	حسن الہاشمی	۷۷۵تا۷۸۰	۶
۳۹	پانچواں خط	حسن الہاشمی	۷۸۱تا۷۸۹	۹
۴۰	چھٹا خط	حسن الہاشمی	۷۹۰تا۷۹۵	۶
۴۱	ساتوں خط	حسن الہاشمی	۷۹۶تا۸۰۰	۵
۴۲	ملت اسلامیہ پر رحم کیجیے مولوی محمود مدنی صاحب	عبد السمیع قاسمی حیدرآبادی	۸۱۵تا۸۱۷	۳
۴۳	مکالمۃ الصدرین	مولانا طاہر قاسمی	۸۱۹تا۸۳۶	۱۸
۴۴	آج کی جمعیۃ علمائے ہند		۸۳۹تا۸۵۸	۲۰
			کل صفحات	۶۴۷

اس کتاب کی ضخامت کی یہ حقیقت ہے۔ جہاں تک نقد و تحقیق کے معیار کا معاملہ ہے، تو اسے آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

سرورق: کتاب کا نام اور بلند بانگ دعوے

ابو عکاشہ صاحب نے کتاب کا نام رکھا ہے 'تاریخ کے قاتل' اور اس کے ذیل میں لکھا ہے: "دارالعلوم دیوبند سے شائع شدہ غیر معتبر کتاب دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ"

انھوں نے اپنی کتاب کے سرورق پر ہی 'جامع و مختصر تاریخ' کو 'غیر معتبر' گردانا ہے اور دوسری طرف اپنی کتاب کے سلسلے میں ان کا دعوی ہے کہ وہ ایک 'تحقیقی و تنقیدی جائزہ' ہے۔ اہل علم و تحقیق کے یہاں ایسا عنوان اور ایسے دعوے معیار تحقیق سے فروتر مانے جاتے ہیں۔ اصل علمی و تحقیقی طریقہ یہ ہے کہ اپنا تجزیہ و تبصرہ پیش کر دیا جائے اور فیصلہ قارئین کے سپرد کر دیا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب ابو عکاشہ صاحب کو صرف لفظ 'تحقیق و تنقید' کا علم ہے، لیکن اس کی روح اور اس کے علمی و اصطلاحی تعامل سے وہ بالکل واقف نہیں ہیں۔ کیوں کہ پوری کتاب ایک خاص خاندانی پس منظر، ذاتی بغض و عناد اور تنقید محض کے مقصد سے لکھی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا زبان و بیان اور اسلوب نگارش انتہائی سطحی اور سوقیانہ ہے۔

یہ کتاب نقد و تحقیق کے کسی معیار پر نہیں اترتی، بلکہ دراصل یہ نقد و تحقیق کے نام پر ذاتی عناد و تعصب اور مغلطات کا ایک مجموعہ ہے۔ یہ کتاب چند مفروضوں پر قائم ہے، اس کا حقیقت بیانی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ کوئی بھی سنجیدہ شخص اس کے مطالعہ میں اپنا وقت ضائع نہیں کرے گا۔ صرف فہرست سے ہی مشمولات کا بہترین اندازہ ہو جاتا ہے۔ کاش صاحب کتاب جناب ابو عکاشہ صاحب اپنا وقت اور سرمایہ کسی مثبت اور مفید کام میں لگاتے۔

آئندہ ہم قارئین کرام کی سہولت کے پیش نظر عنوان کے ساتھ تاریخ کے قاتل کا متعلقہ صفحہ نمبر بھی لکھ دیں گے تاکہ اگر کسی کو مراجعت کی ضرورت ہو تو دشواری نہ پیش آئے۔

صفحہ ۳۰: پہلا اشکال "جامع و مختصر" پر

جامع و مختصر تاریخ پر پہلا اشکال یہ ہے کہ کتاب جامع ہے اور نہ ہی مختصر۔ 'جامع' اس لیے نہیں ہے کہ اس میں "دانستہ دیوبند کی اہم شخصیات کو نظر انداز کیا گیا ہے" اور "دیوبندی حضرات کے ساتھ تنگ نظری کا مظاہرہ کیا گیا ہے"۔ اشکال کا دوسرا جزء یہ ہے کہ کتاب مختصر نہیں ہے اس کے مشمولات 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' سے زیادہ ہیں۔ (ص ۳۰)

'جامع و مختصر تاریخ' جامع اور مختصر کیوں ہے، اس کا اندازہ 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' مرتبہ سید محبوب رضوی اور جامع و مختصر تاریخ کا موازنہ کر کے بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ تاریخ دارالعلوم کے ابواب اور مشمولات کی تفصیل اس طرح ہے:

تاریخ دارالعلوم	جلد اول (صفحات ۵۴۴)	کل صفحات ۱۰۰۸
پہلا باب (تاصفحہ ۱۴۵)	ہندوستان میں مدارس کی تاریخ، شاہ ولی اللہؒ اور اکابر دارالعلوم کا سلسلۂ اسناد، حضرت نانوتویؒ اور دیگر اراکین تاسیسی کے حالات	تاصفحہ ۱۴۵
دوسرا باب (۱۴۶تا۴۲۳)	قیام دارالعلوم سے لے کر ۱۳۹۶ھ تک سالانہ احوال و کوائف اور اہم واقعات کی تفصیل	۲۷۷ صفحات
تیسرا باب	مسلک دارالعلوم	۱۱۳ صفحات

(۴۲۴ تا ۵۳۷)	اور چند عناوین کے تحت خدمات کا ذکر	
تاریخ دارالعلوم	جلد دوم (صفحات ۴۶۴)	
چوتھا باب (تا صفحہ ۱۷۰)	تقریباً سو مشاہیر فضلائے دارالعلوم کا تذکرہ	۱۷۰ صفحات
پانچواں باب (۱۷۱ تا ۲۶۰)	حضرات صدر المدرسین، ارباب اہتمام اور مفتیان کرام کا تذکرہ	۹۰ صفحات
چھٹا باب (۲۶۱ تا ۳۰۲)	دارالعلوم کے نظام تعلیم وغیرہ کا تذکرہ (از صفحہ)	۴۱ صفحات
ساتواں باب	دارالعلوم کے نظم ونسق کا تذکرہ	۵ صفحات
آٹھواں باب (۳۱۴ تا ۳۳۴)	شعبہ جات کا تذکرہ	۲۰ صفحات
نواں باب (۳۳۵ تا ۳۴۴)	دارالعلوم کی عمارتوں کا تعارف اور زائرین کے اسماء کی فہرست	۱۰ صفحات
دسواں باب (۳۴۵ تا ۴۳۷)	زائرین کے تاثرات (۸۰ صفحات) اقتباسات مثنوی فروغ (۱۵ صفحات) ضمیمہ، ماخذ ومراجع وغیرہ (۲۵ صفحات)	۱۲۰ صفحات

جب کہ 'دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ' کے ابواب اور مشمولات کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

ابواب	دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ	کل صفحات ۷۵۲
پہلا باب (تا صفحہ ۵۶)	دارالعلوم دیوبند، پس منظر، قیام، نصب العین اور بنیادی اصول	تا صفحہ ۵۶

دوسرا باب (۵۷تا۱۳۸)	بنائے دارالعلوم اور ڈیڑھ سو سال کے واقعات کی مختصر ٹائم لائن، عمارات کا تذکرہ	۸۱صفحات
تیسرا باب (۱۳۹تا۱۶۰)	دارالعلوم کا مسلک، فکری منہج اور سلسلۂ سند	۲۱صفحات
چوتھا باب (۱۶۱تا۱۹۸)	دارالعلوم دیوبند کا نظم و نسق اور شعبہ جات	۳۷صفحات
پانچواں باب (۱۹۹تا۲۵۰)	دارالعلوم کا نصاب و نظام تعلیم	۵۱صفحات
چھٹا باب (۲۵۱تا۳۹۶)	خدمات دارالعلوم پر ۱۶عناوین	۱۴۶صفحات
ساتواں باب (۳۹۷تا۴۲۸)	دارالعلوم مشاہیر کی نظر میں	۳۱صفحات
آٹھواں باب (۴۲۹تا۷۴۳)	شخصیات دارالعلوم دیوبند	۳۱۴صفحات

'جامع و مختصر تاریخ' میں اختصار اور جامعیت کیسے ہے؟ اس کا اندزہ درج بالا ٹیبل دیکھنے سے بالکل واضح ہو جائے گا۔ تاریخ دارالعلوم میں جن امور پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے ان کو جامع و مختصر تاریخ میں مختصراً لیا گیا ہے یا بالکل ہی نہیں لیا گیا ہے۔ مثلاً ہندوستان میں مدارس کی تاریخ کو بالکل نہیں چھیڑا گیا ہے اور سند و استناد پر صرف چند صفحات پر مضمون شامل کیا گیا ہے جب کہ تاریخ دارالعلوم میں اس پر کافی تفصیلی مواد موجود ہے۔ تاریخ دارالعلوم میں قیام دارالعلوم سے ۱۳۹۶ھ تک کے سالانہ احوال و کوائف کو پونے تین سو صفحات میں بیان کیا گیا ہے جب کہ جامع و مختصر تاریخ میں

محض پچاس صفحات میں ان کو سمیٹ دیا گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ چناں چہ اس لحاظ سے یہ کتاب 'مختصر' ٹھہری۔

جہاں تک بات رہی جامعیت کی، تو اس سلسلے میں جامع و مختصر تاریخ کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے بات واضح ہو جائے گی۔ تاریخ دارالعلوم میں خدمات کے باب میں صرف سات عناوین پر مضامین ہیں، جب کہ جامع و مختصر تاریخ میں سولہ عناوین پر دارالعلوم کی خدمات کا بیان نسبتاً تفصیل سے کیا گیا ہے۔ جامع و مختصر تاریخ میں دارالعلوم کے تمام درجات تعلیم کے نصاب کو بالتفصیل جگہ دی گئی ہے اور دارالعلوم کے تیس سے زائد شعبہ جات کا تعارف دیا گیا ہے۔ جامع و مختصر تاریخ میں شخصیات کے باب میں بہت زیادہ اضافے کیے گئے ہیں اور تاریخ دارالعلوم میں جن لائق و فائق شخصیات کا تذکرہ نہیں تھا، ان کو شامل کیا گیا ہے، اراکین تاسیسی، اساتذہ اور اراکین شوریٰ میں جن حضرات کا تذکرہ تاریخ دارالعلوم میں نہیں تھا، ان کو جامع و مختصر تاریخ میں جگہ دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں، جامع و مختصر تاریخ میں اب تک کہ تمام اراکین شوریٰ، اساتذۂ درجات عربیہ، اہم عہدہ داران و نظماء کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب 'جامع' بھی ہے۔

اگر دونوں کتابوں کے مشمولات کو موازنہ کریں تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے:

مشمولات (تلخیص و اختصار)	تاریخ دارالعلوم دیوبند	جامع و مختصر تاریخ
ہندوستان میں مدارس کی تاریخ	۲۵	بالکل نہیں
شاہ ولی اللہؒ اور اکابر دارالعلوم کا سلسلۂ اسناد	۱۱صفحات	۳صفحات
از قیام دارالعلوم تا۱۳۹۶ھ سالانہ احوال و کوائف	۲۷۷صفحات	۶۱صفحات

زائرین کے اسماء کی فہرست ، زائرین کے تاثرات، اقتباسات مثنوی فروغ	۹۸صفحات	۱۳۱صفحات
مشمولات (اضافہ وتفصیل)	تاریخ دارالعلوم دیوبند	جامع ومختصر تاریخ
خدمات دارالعلوم دیوبند	۹۹صفحات سات عناوین پر	۱۴۶ صفحات سولہ عناوین پر
مشاہیر فضلائے دارالعلوم	۸۷ شخصیات (بعد حذف تکرار)	۱۷۳ شخصیات
حضرات صدر المدرسین، ارباب اہتمام اور مفتیان کرام	۹۰صفحات	۱۳۵
دارالعلوم کا نصاب تعلیم	۶صفحات	۲۷صفحات
دارالعلوم کا نظم ونسق اور شعبے	۲۵صفحات	۳۷صفحات
دارالعلوم کی عمارتوں کا تعارف	۷صفحات	۱۹صفحات
شخصیات دارالعلوم ایک نظر میں	بالکل نہیں	۳۰صفحات

جامع ومختصر تاریخ کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو مواد تاریخ دارالعلوم دیوبند میں تفصیل سے موجود تھا، ان سے یا تو تعرض نہیں کیا گیا ہے یا ان کی تلخیص کی گئی ہے، اور جن موضوعات میں تشنگی محسوس کی گئی ان کا جامع ومختصر تاریخ میں اضافہ کیا گیا ہے۔

دیوبند کی اہم شخصیات کو نظر انداز کرنے کے الزام کی حقیقت

تاریخ کے قاتل صفحہ ۲۷ اور ۳۰ پر سے ہی دیوبند کی اہم شخصیات اور دیوبندی حضرات کو نظر انداز کرنے اور ان کے ساتھ تنگ نظری کا مظاہرہ کرنے کے الزام

جامع و مختصر تاریخ کے مرتب پر لگایا گیا ہے۔ مختلف عناوین کے تحت اس الزام کا جواب آئندہ صفحات میں آپ خود ملاحظہ فرمائیں گے۔

انصاف کی نظر سے مطالعہ کرنے والے پر خود یہ واضح ہو جائے گا کہ دیوبند سے تعلق رکھنے والے وہ متعدد اہم علماء و مشائخ جو تاریخ دارالعلوم لکھے جانے تک نمایاں حیثیت کے حامل تھے، ان کا تذکرہ تاریخ دارالعلوم میں بجا طور پر آنا چاہیے تھا، لیکن سید محبوب صاحب رضوی کی مرتب کردہ تاریخ بھی ان کے تذکرہ سے خالی ہے۔ جب کہ جامع و مختصر تاریخ میں دیوبند کی متعدد ایسی اہم شخصیات جن کو تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی میں جگہ نہیں مل سکی، اس کتاب میں ان اہم شخصیات کے تذکرہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ایسی شخصیات کے اسمائے گرامی ذیل میں پیش ہیں:

شمار	نام / مقام وعہدہ		از-تا	مدت *
۱	حضرت مولانا مہتاب علی دیوبندی	یکے از بانیان		
۲	شیخ نہال احمد دیوبندی	یکے از بانیان		
۳	حضرت مولانا ملا محمد محمود دیوبندی	معلم اول		
۴	حضرت مولانا نبیہ حسن دیوبندی	استاذ درجہ علیا	۱۳۲۷ تا ۱۳۵۱ھ	۲۴ سال
۵	حضرت مولانا قاضی مسعود احمد دیوبندی	استاذ و نائب مفتی	۱۳۳۲ تا ۱۳۸۴ ھ	۵۲ سال
۶	حضرت مولانا میاں اختر حسین دیوبندی	استاذ ناظم تعلیمات	۱۳۴۴ تا ۱۳۹۷ ھ ۱۳۸۷ تا ۱۳۹۷ھ	۵۳ سال
۷	حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندی	استاذ درجہ علیا	۱۳۴۹ تا ۱۳۶۲ھ	۲۹ سال

		دوبارہ	۱۳۶۷تا۱۳۸۳ھ	
۸	حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندی	استاذ درجۂ علیا	۱۳۵۸تا۱۴۰۰ ھ	۳۹ سال
۹	حضرت مولانا سید حسن دیوبندی	استاذ درجۂ علیا	۱۳۵۷تا۱۳۸۱ھ	
۱۰	حضرت مولانا معراج الحق دیوبندی	استاذ نائب مہتمم	۱۳۶۳تا۱۴۱۲ھ ۱۳۸۶تا۱۳۹۶ھ / ۱۹۶۶تا۱۹۷۶ء	۳۴ سال
۱۱	حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی	استاذ درجۂ علیا	۱۳۶۶تا۱۴۰۲ھ	۲۴ سال
۱۲	حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی	استاذ درجۂ علیا	۱۳۷۰تا۱۴۰۲ ھ	۲۶ سال
۱۳	مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری	استاذ درجۂ علیا	۱۳۷۳تا۱۴۰۲ ھ	۲۳ سال
۱۴	حضرت مولانا خورشید عالم دیوبندی	استاذ درجۂ علیا	۱۳۸۳تا۱۴۰۲ ھ	۱۴ سال

* مدت خدمت تا ترتیب تاریخ دارالعلوم دیوبند

یہ تمام حضرات دیوبند کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں اور جامع و مختصر تاریخ میں ان کے سوانحی احوال کا اضافہ کیا گیا ہے، جب کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی میں ان حضرات کا کوئی تذکرہ نہیں دیا گیا ہے۔ آپ خود غور فرمائیں کہ اہل دیوبند کو نظر انداز کرنے اور ان کے تئیں تنگ نظری برتنے کے الزام میں کتنا دم ہے؟

تاریخ دارالعلوم کو مسترد کرنے کا مفروضہ اور اس کی حقیقت

تاریخ کے قاتل کے صفحہ ۳۲ سے لے کر ۳۶ تک، مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ العالی کے دو صفحاتی مقدمے اور ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی حضرت مولانا بدرالدین اجمل قاسمی مدظلہ العالی کے دو صفحاتی تعارف پر تبصرہ کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے موجود ارباب اقتدار 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' مرتبہ سید محبوب رضوی کو ختم کرنا چاہتے ہیں؛ اسی لیے انھوں نے نئی تاریخ لکھوائی ہے۔

یہ 'تاریخ کے قاتل' کے مصنف کا محض مفروضہ اور واہمہ معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اب تک ارباب دارالعلوم کی طرف سے اس کی اشاعت بند کرنے کا کوئی ادنی اشارہ نہیں دیا گیا ہے، بلکہ مکتبہ دارالعلوم سے معلوم ہوا کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی صاحب کا جو نسخہ اس وقت بازار میں دستیاب ہے وہ مکتبہ دارالعلوم نے ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۷ء میں شائع کیا ہے یعنی 'جامع ومختصر تاریخ' کی طباعت کے ایک سال بعد، نیز معلوم ہوا کہ حسب سابق آئندہ بھی اس کتاب کی اشاعت اور طلبہ کے مابین بہ طور انعام تقسیم کا سلسلہ جاری رہے گا۔

دوسری طرف دارالعلوم دیوبند کے عربی مجلہ الداعی میں تاریخ دارالعلوم دیوبند کا عربی ترجمہ مسلسل کئی سال سے شائع ہو رہا ہے جو مولانا محمد عارف جمیل صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند و نائب ایڈیٹر مجلۃ الداعی انجام دے رہے ہیں اور ماہ ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ میں اس کی بہترویں (۷۲ویں) قسط شائع ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ مجلہ الداعی حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں شائع ہو رہا ہے۔ علاوہ ازیں، دارالعلوم کی ویب سائٹ پر اسلامی لائبریری کے کالم میں دارالعلوم کی مطبوعہ متعدد کتابوں کے ساتھ 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' کی پی ڈی ایف بھی برائے ڈاؤن لوڈ موجود ہے۔

'تاریخ کے قاتل' کے مصنف کا اصرار ہے کہ تاریخ دارالعلوم کے بعد مزید کسی تاریخ کی ضرورت نہیں تھی، اگر لکھنا ہی تھا تو تاریخ دارالعلوم کی تیسری جلد لکھی جاتی۔ حضرت مہتمم صاحب اور حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب کی تحریروں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مختلف زبانوں میں 'جامع و مختصر تاریخ' کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، ورنہ تفصیل کے لیے تو دو جلدوں میں تاریخ دارالعلوم تو موجود ہی ہے۔ لہٰذا تاریخ دارالعلوم دیوبند کو نظر انداز یا ختم کرنے کی بات تو جناب ابوعکاشہ صاحب کی محض ذہنی اُپج معلوم ہوتی ہے اور شاید یہ بات ارباب دارالعلوم کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ رہی ہو۔

میں تو کہتا ہوں کہ کتاب کا نام 'دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ' خود اس بات کی طرف غماز ہے کہ یہ تو جامع و مختصر ہے، اس کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے جو مفصل ہے اور ظاہر ہے کہ وہ کتاب 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' ہے۔ لہٰذا 'جامع و مختصر' نام خود اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ جو شخص تفصیلی معلومات کا خواہاں ہو وہ مفصل تاریخ کی طرف رجوع کرے۔ اگر ارباب دارالعلوم اس نئی کتاب کا نام 'تاریخ دارالعلوم جدید' یا اس سے ملتا جلتا کوئی نام رکھتے تو اشکال ہو سکتا تھا کہ پچھلی کتاب منظر نامے سے ہٹ جائے گی، لیکن اس نئی کتاب کو مختصر کہنا، خود اس بات کا ثبوت ہے کہ 'تاریخ دارالعلوم' مفصل ہے اور مختصر کے مقابلے میں مفصل کی ضرورت ہمیشہ باقی رہے گی۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا کسی ادارہ یا تحریک کی ایک سے زیادہ تاریخ نہیں لکھی جاسکتی؟ کیا ایک تاریخ کے بعد کسی بہتر مقصد کے پیش نظر دوسری کتاب تیار کرنا جرم ہے؟ دارالعلوم کی تاریخ پر 'تاریخ دارالعلوم' کے بعد کسی اور مستقل کتاب کی ضرورت نہ ہونے کی بات بہت سطحی اور غیر منطقی ہے۔

ابھی حال ہی میں ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب کی پانچ سو صفحات پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا عنوان 'دیوبند: تاریخ و تہذیب کے آئینے میں' ۔ یہ کتاب گویا سید

محبوب رضوی کی ’تاریخ دیوبند‘ کا نیا ایڈیشن ہے۔ تاریخ دیوبند میں جو موضوعات آچکے ہیں ان کے ساتھ ساتھ اس میں اضافے اور مزید معلومات بھی جمع کردی گئی ہیں۔ تو کیا اب جناب ابوعکاشہ صاحب اس نئی کتاب کے مصنف ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب کے پیچھے بھی پڑ جائیں گے کہ وہ سید محبوب رضوی کی تاریخ دیوبند کو دفن کرنا چاہتے ہیں؟

کیا تاریخ دارالعلوم اپنی ترتیب و جامعیت کے اعتبار سے اتنی مکمل ہے کہ اب کسی بھی حیثیت سے اس کے نقش ثانی کی ضرورت نہیں؟ ابوعکاشہ صاحب جو تاریخ دارالعلوم کو ’کامل و مکمل‘ تاریخ سمجھ رہے ہیں، آئندہ ہم ان شاء اللہ تفصیل سے اس امر پر روشنی ڈالیں گے کہ اس میں ترتیب و تصنیف کی ایسی خامیاں موجود ہیں جو جناب ابوعکاشہ رحمان صاحب کے اس بے جا خیال کی ببانگ دہل تردید کرتی ہیں۔

عرض مرتب میں ’تاریخ دارالعلوم‘ کا ذکر

جناب ابوعکاشہ صاحب کے تحریر کردہ صفحہ ۳۲ سے لے کر ۳۶ تک کے مشمولات پڑھ جایئے، وہ یہی تاثر دے رہے ہیں کہ جامع و مختصر تاریخ میں ’تاریخ دارالعلوم‘ (مرتبہ سید محبوب رضوی) کو بالکل نظر انداز کردیا ہے اور کہیں بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے جب کہ مقدمہ و تعارف کے معاً بعد ’عرض مرتب‘ کے تحت مرتب کتاب ڈاکٹر مفتی محمد اللہ قاسمی نے تاریخ دارالعلوم اور اس کے فاضل مصنف کا بایں الفاظ ذکر کیا ہے:

> ”اس سلسلہ میں سب سے اہم اور قابل قدر کوشش جناب سید محبوب رضوی صاحب کی ہے جنھوں نے دو جلدوں میں دارالعلوم کی باقاعدہ تاریخ مرتب کی؛ اس کی جلد اول میں قیام دارالعلوم سے ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء تک کے احوال و کوائف کو سن وار تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جب کہ دوسری جلد میں شخصیات اور نظام دارالعلوم کا بیان ہے۔ یہ کتاب دارالعلوم کی تاریخ کے

سلسلہ میں مرجع اول اور مستند حوالہ کا درجہ رکھتی ہے اور مسلسل طبع ہو رہی ہے۔" (ص ۳۷)

ابو عکاشہ صاحب نے اس کو بالکل نظر انداز کر کے غلط فہمی پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔

ص ۳۸ تا ۴۱: حوالے کا معاملہ

پہلے باب کے پہلے مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ابو عکاشہ صاحب کہتے ہیں کہ جامع و مختصر تاریخ میں سید محبوب رضوی کی تاریخ دارالعلوم کی عبارتیں مختلف جگہوں سے لی گئی ہیں اور ان کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔ انھوں نے کھلے طور پر 'جامع و مختصر تاریخ' کے مرتب پر سرقہ کا الزام عائد کر دیا ہے۔ اس سے اگلے مضمون پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں حوالہ تو دیا ہے لیکن الٹ پھیر کر دی ہے، نیز اقتباسات کو بین القوسین درج نہیں کیا ہے۔

'جامع و مختصر تاریخ' کے مرتب نے اپنے حرف آغاز میں صاف طور پر لکھا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کی ترتیب میں سب سے زیادہ استفادہ تاریخ دارالعلوم سے کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ شروع سے آخر تک اس کتاب میں تاریخ دارالعلوم کے حوالے جگہ جگہ ملتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اس کتاب کی تیاری میں تاریخ دارالعلوم دیوبند (مرتبہ جناب محبوب رضوی) اور 'دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی' سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کا حوالہ پیراگراف یا مضمون کے اخیر میں کر دیا گیا ہے۔ تاہم کتاب کے آخر میں مصادر و مراجع کی فہرست درج کر دی گئی ہے۔" (ص ۳۸)

پہلے مضمون میں حوالہ نہیں ہے، یہ شاید مرتب سے چوک ہوئی ہے، کیوں کہ اس کے معاً بعد دوسرے مضمون اور اس کے بعد کے مضامین میں تاریخ دارالعلوم کا

حوالہ سیکڑوں جگہوں پر موجود ہے، ورنہ ہر جگہ حوالہ دینے اور ایک جگہ چھوڑنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

'جامع و مختصر تاریخ' کے پہلے مضمون کا عنوان ہے "دارالعلوم دیوبند" پھر ڈھائی صفحات میں دارالعلوم دیوبند کی تاریخی حیثیت، اہمیت اور خدمات وغیرہ کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف جگہوں سے عبارات کو سلیقے سے جوڑ کر ایک اہم مضمون تیار کیا گیا ہے۔ یہی بات اس کتاب کی جامعیت اور اختصار کا واضح ثبوت ہے۔

دوسرے مضمون کے سلسلے میں ابوعکاشہ صاحب کو اشکال ہے کہ یہاں حوالہ تو دیا ہے لیکن الٹ پھیر کر دی ہے؛ یعنی جس کا حوالہ پہلے دینا ہے اس کا بعد میں اور جس کا بعد میں ہونا ہے اس کا پہلے دیا گیا ہے، جب کہ دوسرا اشکال یہ ہے کہ اقتباسات کی شکل میں 'بین القوسین' عبارت نہیں لکھی گئی ہے۔

ان اشکالات سے بھی ابوعکاشہ صاحب کی کم فہمی اور کم علمی نمایاں ہوتی ہے؛ کیوں کہ تلخیص واختصار کی صورت میں عبارت کو کوٹیشن مارک کے درمیان نہیں لکھا جاتا اور حوالہ دیتے ہوئے اقتباس کی تقدیم و تاخیر کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا بلکہ کون سی کتاب زیادہ اہم ہے اور کس سے زیادہ مضمون اخذ کیا گیا ہے اس کا خیال رکھتے ہوئے مآخذ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

ص ۴۲ تا ۵۶: حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کو نظر انداز کیا گیا؟

صفحہ ۴۲ پر "خیانت" کے عنوان سے مصنف تاریخ کے قاتل نے دعوی کیا ہے کہ جامع و مختصر تاریخ کے مرتب نے "دانستہ" حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام نکال دیا ہے۔ صفحہ ۴۲ تا ۵۳ تک پڑھ جایئے، آپ کے دل میں یہی تاثر پیدا ہوگا کہ جامع و مختصر تاریخ کے مرتب نے پوری کتاب سے حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام کھرچ کھرچ کر نکال دیا ہے اور ایک بھی جگہ ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ابوعکاشہ صاحب نے اس مقام پر خود ایک عظیم ترین خیانت کا ارتکاب کیا ہے، قبل اس کے کہ ان کے دعوے کی قلعی کھولی جائے، آپ سے گزارش ہے کہ آپ جامع و مختصر تاریخ اٹھائیں اور دیکھیں کہ حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام کہاں کہاں آیا ہے:

حوالہ نمبر ۱ (دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، ص ۵۶)

حضرت نانوتویؒ نے مدرسہ کے لیے مستقل ذریعہ آمدنی کو بھی نقصان دہ اور باعث اختلاف وانشقاق تصور کیا۔ توکل علی اللہ، خوف و رجا اور توجہ الی اللہ کو اس کی بقا و ترقی کی ضمانت سمجھا۔ دارالعلوم کی تاسیسی جماعت کے ایک دوسرے رکن حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ نے اس کو نظم میں اس طرح ڈھالا ہے:

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کے لیے
کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ
یوں سمجھ لینا کہ بے نور و ضیاء ہوجائے گا

حوالہ نمبر ۲ (دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، ص ۵۸)

بنائے دارالعلوم

۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب میں جب دہلی اجڑی اور اس کی سیاسی بساط الٹ گئی تو دہلی کی علمی مرکزیت بھی ختم ہوگئی اور علم و دانش کا کارواں وہاں سے رخت سفر باندھنے پر مجبور ہوگیا۔ اس وقت کے اہل اللہ اور خصوصیت سے ان بزرگوں کو، جو اس خونیں انقلاب سے خود بھی گزر چکے تھے، یہ فکر واضطراب لاحق ہوا کہ علم و معرفت کے اس کارواں کو کہاں ٹھکانہ دیا جائے اور ہندوستان میں بے سہارا مسلمانوں کے دین و ایمان کو سنبھالنے کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے۔ خوش قسمتی سے اس وقت اس راہ عمل کے مذاکروں کا مرکزی مقام دیوبند کی مسجد چھتہ تھی۔ یہ وہی مسجد ہے جس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ورود دیوبند کے موقع پر قیام فرماتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کی سسرال اسی کے قریب محلہ دیوان میں واقع تھی، اس لیے اکثر یہاں تشریف آوری ہوتی رہتی تھی بلکہ اس وقت تک وہ دیوبند کو وطن ثانی بنا چکے تھے۔ اس زمانے میں حاجی عابد حسین صاحبؒ اور مولانا رفیع الدین صاحبؒ بھی اسی مسجد میں قیام پذیر تھے۔ اس طرح ان بزرگوں سے کمال درجہ کا ربط و ضبط قائم ہوگیا۔ علاوہ ازیں، دیوبند میں حضرت مولانا ذوالفقار صاحبؒ اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ سے بھی مودت و محبت کا رشتہ قائم تھا۔

حوالہ نمبر ۳ (دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، ص ۵۹)

تنہا مولانا مہتاب علیؒ کے پاس تشریف لائے جنھوں نے چھ روپے عنایت کیے اور دعا کی۔ پھر بارہ روپے مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ نے اور چھ روپے حاجی فضل حق صاحبؒ نے دیئے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر آپ مولانا ذوالفقار علیؒ کے پاس آئے اور انھوں نے فوراً بارہ روپے دیئے اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت کیے۔ وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلّہ ابوالبرکات پہنچے، دوسو روپے جمع ہو گئے اور شام تک تین سو روپے۔

حوالہ نمبر ۴ (دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، ص ۵۹ تا ۶۰)

قیام دارالعلوم کے چار دن بعد ۱۹ رمحرم الحرام ۱۲۸۳ء بروز دوشنبہ اکابر دارالعلوم کی جانب سے ایک اعلان شائع ہوا جس پر درج ذیل حضرات کے دستخط تھے:

حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ، حضرت مولانا مہتاب علی صاحبؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ، حضرت حاجی منشی فضل حق صاحبؒ، حضرت شیخ نہال احمد صاحبؒ۔

یہ حضرات مجلس شوریٰ کے صرف رکن نہ تھے بلکہ یہ دارالعلوم کے اولین معمار تھے۔ ان میں حضرت نانوتویؒ دارالعلوم کے سب سے پہلے سرپرست تھے اور حضرت حاجی عابد حسینؒ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم تھے۔

حوالہ نمبر ۵ (دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، ص ۵۶۸ تا ۵۶۹)

حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ دارالعلوم کے بانیوں اور اولین معاونین میں تھے۔ آپ نے اپنے فرزندوں میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند جیسے مشاہیر اور یگانہ روزگار علماء چھوڑے۔ ندوۃ المصنفین دہلی کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ انہی کے پوتے ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ کے اخلاف نے عظیم علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی ۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ دہلی کالج میں حضرت مولانا مملوک العلیؒ سے تعلیم پائی تھی۔ دارالعلوم کے بانیوں میں سے تھے، مجلس شوریٰ کے آخر تک رکن رہے۔ فارسی واردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ عربی ادب میں بھی ملکہ راسخہ حاصل تھا۔ متعدد نظمیں، قصیدے اور مرثیے وغیرہ ان کے ذوق شعری کے آئینہ دار ہیں۔ دیوبند میں ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں ایک زبردست پلیگ (طاعون) پھیلا تھا، اس پلیگ کی تباہ کاریوں کو انھوں نے فارسی زبان میں نظم کیا ہے۔ دیوبند کے حالات میں یہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ کو مادۂ تاریخ کے نکالنے میں بھی بڑا کمال حاصل تھا، دارالعلوم کی رودادوں میں ان کی بہت سی نظمیں اور تاریخی قطعات درج ہیں۔

محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے۔ بریلی، بجنور اور سہارنپور وغیرہ اضلاع میں تعینات رہے۔ ۱۸۵۷ء میں بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ نے ۳ جمادی الاولی ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۵ رجون ۱۹۰۷ء میں رحلت پائی۔

الغرض، بنائے دارالعلوم، پس منظر اور تاسیس کے ذیل کے ہر جگہ حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام ہے، یہی نہیں بلکہ مشائخ و مشاہیر کے ذیل میں دیگر بانیان کے ساتھ حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کے سوانحی حالات بھی مذکور ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ ص ۴۹ پر مختلف حضرات کے ناموں کے ساتھ حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام کیوں نہیں ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے بہتر ہے کہ آپ جامع و مختصر تاریخ کھول لیں، آپ خود دیکھیں کہ دارالعلوم کے قیام کے پس منظر کے ذیل میں بر سبیل تذکرہ کچھ اکابر کا نام ہے اور اخیر میں وغیرہم بھی لگا ہوا ہے، یہاں حضرت مولانا عثمانی کا نام نہیں ہے، اس پر ابوعکاشہ صاحب نے مرتب جامع و مختصر تاریخ پر 'دانستہ' مولانا عثمانی کا نام نکالنے کی تہمت جڑ دی اور تاثر کچھ اس طرح دیا ہے کہ جیسے پوری تاریخ سے ان کا نام نکال دیا گیا ہے؛ جب کہ اگلے ہی عنوان کے تحت چندہ کے تحریک اور بنائے دارالعلوم کے ذیل میں حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام بہ طور یکے از بانیان درج ہے جیسا کہ اوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے ابوعکاشہ صاحب نے تاریخ دارالعلوم اول ص ۱۲۳ کا حوالہ دیا ہے کہ وہاں اکابر ستہ کے عنوان کے تحت مولانا فضل الرحمن صاحب کا

ذکر ہے اور جامع و مختصر تاریخ کے مرتب نے عبارت یہاں سے لی ہے اور مولانا عثمانی کا نام نکال دیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں عبارتیں ملانے کے بعد ابوعکاشہ صاحب کی بات بہت بے تکی سی معلوم ہوتی ہے؛ کیوں تاریخ دارالعلوم میں اکابر ستہ کے عنوان سے چھ بزرگوں کا ذکر ہے اور جامع و مختصر تاریخ میں ایسا کوئی عنوان نہیں ہے۔ نیز جامع و مختصر تاریخ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور حضرت مولانا مہتاب علی دیوبندی کا ذکر ہے اور تاریخ دارالعلوم میں ان کا ذکر نہیں ہے، اگر جامع و مختصر تاریخ میں عبارت تاریخ دارالعلوم سے لی گئی ہوتی تو پھر اس میں حاجی صاحب اور مولانا مہتاب صاحب کا نام کہاں سے آیا، ان کا ذکر تو تاریخ دارالعلوم میں اس جگہ پر نہیں ہے۔ بس حقیقت اتنی معلوم ہوتی ہے کہ جامع و مختصر تاریخ میں ص ۴۹ پر بہ طور مثال کچھ حضرات اکابر کا نام ہے، جس میں سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے اور اس عبارت کو وغیرہم پر ختم کیا گیا ہے؛ کیوں کہ چار پانچ صفحات کے بعد تحریک چندہ اور قیام دارالعلوم کی تفصیلات آرہی ہیں اور وہاں سب اکابر کے ساتھ حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام نامی بھی مذکور ہے۔

اکابر ستہ کیوں، اکابر تسعہ کیوں نہیں؟

تاریخ دارالعلوم کے مصنف نے اکابر ستہ کے عنوان سے درج ذیل حضرات کا ذکر کیا ہے:

"حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت حاجی سید محمد عابد حسین، حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندی، حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی دیوبندی رحمہم اللہ"

یہاں ہمارا ایک طالب علمانہ سوال یہ ہے سید محبوب رضوی صاحب نے 'اکابر ستہ' کی اصطلاح کہاں سے نقل کی؟ اگر یہ اصطلاح خود وضع کی، تو ستہ ہی کیوں، تسعہ کیوں

نہیں؟ اس میں دیگر اراکین تاسیسی (یعنی حضرت مولانا مہتاب علی صاحب دیوبندی، حضرت حاجی منشی فضل حق صاحب دیوبندی جو مہتمم دارالعلوم بھی ہوئے اور حضرت شیخ نہال احمد صاحب رحمہم اللہ) کے اسمائے گرامی کیوں نہیں؟ حالاں کہ قیام دارالعلوم کی پہلی تحریر میں ناموں کی جو ترتیب ہے اس میں حضرت مولانا مہتاب علی صاحب کا نام تیسرے نمبر ہے اور حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام پانچویں نمبر ہے؟ جناب سید محبوب رضوی صاحب نے چھ اکابر کا ہی نام کیوں لیا، تین اراکین تاسیسی کو، جن میں ایک بعد میں مہتمم بھی ہوئے، ان کا نام کیوں نکال دیا؟ کیا جن تین حضرات کا نام اس فہرست سے نکالا گیا ان کا تعلق دیوبند سے نہیں؟ کیا اب ابوعکاشہ صاحب کی پیروی کرتے ہوئے اگر کوئی سید محبوب رضوی پر 'خیانت' کی تہمت لگائے تو اس سلسلے حضرت ابوعکاشہ صاحب کیا ارشاد فرمائیں گے؟

حیرت کی بات ہے کہ جناب سید محبوب رضوی کی اصطلاح 'اکابر ستہ' میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو کوئی جگہ نہیں مل سکی، حالاں کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست تھے اور جہاں انھوں نے ایک طرف طویل مدت تک اپنی باطنی توجہات اور ظاہری سرپرستی و نگرانی سے دارالعلوم کو مستفیض فرمایا، تو دوسری طرف دارالعلوم کے مسلک حقہ کی حدود بندی اور فکری رہ نمائی میں ان کا درجہ حضرت نانوتوی کے ہم پلہ ہے۔ اب کیا محض اس بنیاد پر کہ جناب سید محبوب رضوی صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو اکابر ستہ میں جگہ نہیں دی، تو انھیں مطعون کیا جائے؟

تاریخ کے قاتل صفحہ ۴۲ تا ۵۳ تک پوری تحریر میں حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کی مظلومیت کا رونا رویا گیا ہے، حضرت قاری محمد طیب صاحب اور ان کے خانوادے کی طرف بھی ظلم کی نسبت کی گئی ہے۔ (دیکھیں ص ۴۴ تا ۵۰) جب کہ دوسری طرف خاندان عثمانی کے قابل قدر اخلاف کی طویل فہرست بھی پیش کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ مظلومیت کا ڈھونگ حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کے

لائق و فائق ورثہ کو زیب دیتا ہے؟ جس عظیم شخصیت کا ایک بیٹا (مفتی عزیز الرحمن) دارالعلوم دیوبند کا مفتیٔ اعظم اور نائب مہتمم، جس کا دوسرا بیٹا (مولانا حبیب الرحمن) دارالعلوم کا مہتمم اور جس کا تیسرا بیٹا (علامہ شبیر احمد عثمانی) دارالعلوم کا صدر مہتمم رہا ہو، کیا مظلومیت کا نوحہ ایسے عظیم اخلاف کو جچتا ہے؟

بے شک حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی اور ان کے لائق اخلاف کی شان اس سے بلند و برتر ہے اور آج جو لوگ محض ایک جگہ ان کا نام نہ آنے سے ان کی کردار کشی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں اور کذب بیانی کے ذریعہ اپنی مظلومیت دکھا رہے ہیں وہ در اصل اپنے ان عظیم اسلاف کی توہین کر رہے ہیں اور اپنی ناخلفی اور نالائقی کا کھلے بندوں اظہار کر رہے ہیں۔

ص۵۶ تا ۶۰: لفظ 'بچہ' اور 'پہلا' پر اعتراض

جامع و مختصر تاریخ کی عبارت "ملا محمود دیوبندی کو جو علم و فضل میں بلند پایہ عالم تھے دارالعلوم کا 'پہلا' مدرس مقرر کیا گیا اور محمود حسن نامی 'بچہ' اس درس گاہ کا پہلا طالب علم تھا جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے پوری دنیا میں پہچانا گیا" پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہاں 'پہلا' اور 'بچہ' کا اضافہ بے معنی اور غیر ضروری ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے تاریخ دارالعلوم کی عبارت سے تقابل کیا ہے:

> "ملا محمود دیوبندی ؒ کو جو علم و فضل میں بلند پایہ عالم تھے دارالعلوم کا مدرس مقرر کیا گیا اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم کے وہ اولین شاگرد تھے جنھوں نے استاد کے سامنے کتاب کھولی۔" (تاریخ دارالعلوم، جلد اول، ص۱۵۵)

تاریخ کے قاتل میں محض لفظ 'پہلا' اور 'بچہ' کے استعمال پر دو صفحات سیاہ کیے گئے ہیں۔ 'پہلا مدرس مقرر کیا گیا' کہنے میں کیا پریشانی کی بات ہے، اس سے محض ان کی اولیت کی تاکید نظر آرہی ہے۔ جہاں تک لفظ 'بچہ' کا استعمال ہے، یقینا اس سے بہتر

لفظ 'طالب علم' وغیرہ ہے۔ ایسے مواقع پر 'تصغیر' کا پہلو نمایاں کرنا مطلوب ہوتا ہے تاکہ عظمت واہمیت کا پہلو خوب نکھر کر سامنے آجائے۔

اگر اسی طرح باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے تو تاریخ دارالعلوم کی پیش کردہ عبارت بالا میں بھی کئی سقم نظر آرہے ہیں۔ اولاً ایک طالب علم کو "شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ" کے القاب سے یاد کیا جارہا ہے، اس وقت وہ طالب علم تھے شیخ الہند بعد میں بنے، یہ بلاشبہ بلیغ تعبیر نہیں ہے، بلیغ تعبیر وہی ہے جو علمائے ہند کا شاندار ماضی اور سوانح قاسمی میں استعمال ہوئی ہے یعنی "پہلا معلم محمود، پہلا متعلم محمود"۔ دوسرا سقم یہ نظر آرہا ہے کہ شاگرد کی نسبت دارالعلوم کی طرف کی گئی ہے "دارالعلوم کے وہ اولین شاگرد تھے" کیوں کہ شاگرد کی نسبت استاد کی طرف ہوتی ہے، مدرسہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے طالب علم یا متعلم کا لفظ زیادہ موزوں تھا۔ تیسرا سقم یہ ہے کہ مدرسہ دیوبند کو 'دارالعلوم' کہا گیا ہے جو اس وقت صرف ایک مدرسہ تھا، اس کا نام دارالعلوم بعد میں ہوا، لہٰذا یہ تعبیر بھی بلیغ نہیں۔

ص ۶۰ تا ۶۱: قیام دارالعلوم تاریخ ۳۱ مئی کیوں؟

ابوعکاشہ صاحب نے صفحہ ۶۰ پر قیام دارالعلوم کی انگریزی تاریخ ۳۰ مئی کے بجائے ۳۱ مئی لکھنے پر اشکال کیا ہے۔

اس مقام پر بھی ابوعکاشہ صاحب اپنی عصبیت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایک ظاہر وباہر نکتہ کو سمجھ نہیں سکے۔ تاریخ دارالعلوم اور دیگر کتابوں میں قیام دارالعلوم کا دن 'پنج شنبہ' یعنی جمعرات بتایا گیا ہے۔ اب آپ خود ہی انٹرنیٹ پر کسی ویب سائٹ یا کسی ایپ کے ذریعہ دیکھ لیں کہ ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو کون سا دن آتا ہے، بدھ یا جمعرات، بات بالکل صاف ہوجائے گی۔ اس لحاظ سے قیام دارالعلوم کی انگریزی تاریخ ۳۱ مئی لکھی گئی ہے کیوں کہ جمعرات کا دن طے ہے اور شمسی کیلنڈر میں ۳۱ مئی کو جمعرات ہونا متعین ہے۔

ص ۶۱ تا ۱۴۰: حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا دور اہتمام

باب اول کے عنوان 'دوسرا دور' کے ذیل میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کے نام کے سامنے دور اہتمام محض سوا سال لکھے جانے پر ابو عکاشہ صاحب چراغ پا ہیں، ان کا دعوی ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب سوا سال یا سوا چار سال مہتمم نہیں رہے بلکہ ۲۵ سال تک مہتمم رہے (ص ۶۶، ۱۴۱)

اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب خلف الرشید حضرت نانوتوی کو بھی نہیں بخشا اور انھیں بھی کمزور اور انتظامی امور میں نااہل تک کہہ ڈالا۔ مثلاً ص ۴۶ پر لکھتے ہیں:

> قارئین ذرا ایک بات بتائیے! مددگار کا مطلب کیا ہے؟ مددگار کسے کہتے ہیں؟ ظاہر ہے مدد کرنے والے کو، اور مدد کس کی کی جاتی ہے؟ بلا شبہ جو کمزور ہوتا ہے۔ اس بات سے کیا یہ واضح نہیں ہو رہا ہے کہ حافظ محمد احمد صاحب منصب اہتمام کے لیے کمزور تھے اس لیے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کو ان کا مددگار بنایا گیا۔ اب جو شخص کمزور ہو، لائق امداد ہو تو اس کو عملی طور پر مہتمم نہیں کہا جا سکتا، اس لیے اُس زمانے میں اہتمام کے ہر کام کے لیے لوگ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ دوسری بات غور کرنے کی یہ بھی ہے کہ اگر ایسا نہیں تھا تو مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کو نائب مہتمم کیوں نہیں بنایا گیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کو نائب مہتمم کی جگہ روداد میں مددگار مہتمم ہی لکھا گیا ہے، کیونکہ سب جانتے ہیں نائب مہتمم کے کام اتنے اہم نہیں ہوتے نہ ہی اسے تمام اختیار ہوتے ہیں۔ وہ مہتمم کی غیر حاضری میں تو کارآمد ہوتا ہے، لیکن مہتمم کی موجودگی میں اس کی حیثیت اس درجہ اہم نہیں ہوتی۔ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی حیثیت مہتمم ہی کی تھی نائب کی نہیں۔

اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی پر گفتگو کرتے ہوئے بلا ضرورت ص ۷۹ سے ۱۲۹ تک دارالعلوم ایک سال کی پوری روداد اور کئی مضامین بھی نقل کر ڈالے ہیں۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سرپرست مدرسہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور اراکین شوری نے ۱۳۱۳ھ میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب کو ان کی صلاحیت کی وجہ سے منصب اہتمام پر فائز کیا تھا اور وہ بارہ تیرہ سال تک تنہا مہتمم رہے اور اس درمیان میں ہی دارالعلوم کی تعلیمی و تعمیراتی اور چندہ کی ترقی شروع ہو گئی تھی۔ پہلے ہی سال کی

دارالعلوم کی روداد میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی لیاقت وصلاحیت اور ان کے دور میں ترقیات کے آغاز کو کن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''منتظمان مدرسہ نے مولوی حافظ احمد صاحب کے مہتمم ہونے میں جو مصالح و فوائد مد نظر رکھے تھے الحمد للہ کہ اکثر کا ظہور اسی عرصہ قلیل میں بہ خوبی ہوا۔ مولوی صاحب کی مستعدی اور بیدار مغزی اور خوش معاملگی اور ہوشیاری اور دور اندیشی اور لیاقت سے مدرسہ کی عام حالت میں بہت اسلوبی اور ترقی ظاہر ہوئی اور افزونیٔ چندہ و توفیر چندہ میں ازدیاد اور تعداد خوراک دہندگان اہل شہر ایک عمدہ نتیجہ کوشش مہتمم صاحب کا ہے والحمد للہ علی ذلک۔ اللہ تعالی سے امید ہے کہ ان کا مہتمم ہونا مدرسہ کے ثبات اور ترقی کے لئے ایسا ہی مبارک اور مفید ہو گا جیسا کہ ان کے والد ماجد علیہ الرحمۃ والغفران کے قدم اور دست مبارک اس مدرسہ کی بنیاد اور سرپرستی کے واسطے مبارک ہوا۔ اور امید ہے کہ آئندہ ان کے اہتمام اور کوشش سے فوائد کثیرہ و ترقیات زائد از خیال حاصل ہوں، آمین۔'' (ص ۳)

روداد کا عکس پیش خدمت ہے:

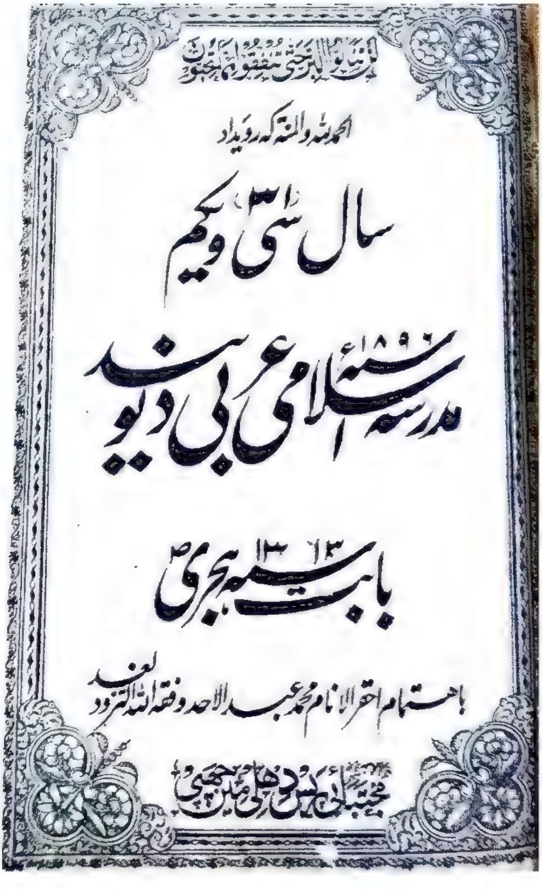
لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون
الحمد للہ والمنۃ کہ روئیداد
سال سی ویکم ۳۱
مدرسہ اسلامی عربی دیوبند ۱۸۹۶ء
بابت سنہ ۱۳۱۳ ہجری
باہتمام احقر الانام محمد عبد الاحد وفقہ اللہ لتزود لغد
مجتبائی پریس دہلی میں چھپی

۳

مرادآبادی مہتمم مدرسہ اسلامیہ مرادآباد- سیوم مولوی عبدالحق صاحب رئیس پور قاضی ضلع منظفرنگر وکیل ریاست رتلام- چہارم مولوی منظفر حسین صاحب گنگوہی- پنجم مولوی حکیم محمد اسمعیل صاحب گنگوہی مقیم بمبئی- ششم جناب حاجی شاہ سید احمد صاحب رئیس انبیہٹہ ضلع سہارنپور اتالیق ولیعہد ریاست مالیرکوٹلہ جو اولاد حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہین- اسی جلسہ مین یہ بھی تجویز ہوئی کہ مہتمم صاحب مدرسہ اور مدرس اول صاحب عربی مدرسہ ہذا بھی بحیثیت عہدہ داخل اہل شوری ہون اور باستثنائے امور متعلقہ اونکی ذات کے جملہ امور انتظامی مین اونسے بھی راے لی جایا کرے اسکے بعد تقرر مہتمم مدرسہ کی طرف بجائے مولوی محمد منیر صاحب مہتمم سابق جو بوجہ ضرورت امور خانگی مستعفی ہوگئے او جنکا کیفیت سالانہ سال گذشتہ مین حال درج ہے توجہ کی گئی اور حسب مقتضا اور مصلحت وقت باتفاق رائے جملہ اہل مشورہ وجناب سرپرست صاحب مولوی حافظ احمد صاحب خلف رشید حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب قدس سرہ العزیز سرپرست اول مدرسہ ہذا مہتمم مدرسہ مقرر ہوئے- مولوی حافظ احمد صاحب ایک جوان صالح اور عالم وفاضل فارغ التحصیل ہین جو عرصہ دراز سے مدرسہ ہذا مین مدرس عربی رہے ہین اور طلبہ کو جملہ علوم معقول ومنقول مین درس دیتے رہے ہین- منتظمان مدرسہ نے مولوی حافظ احمد صاحب کے مہتمم ہونےمین جو جو مصالح وفوائد مدنظر رکھے تھے الحمدللہ کہ اکثر کا ظہور اسی عرصہ قلیل مین بخوبی ہوا- مولوی صاحب کی مستعدی اور بیدارمغزی اور خوش معاملگی اور ہوشیاری اور دوراندیشی اور لیاقت سے مدرسہ کی عام حالت مین بہت اسلوبی وترقی ظاہر ہوئی اور افزونی چندہ وتوفیر زرچندہ مین ازدیاد اور تعداد خوراک دہندگان اہل شہر ایک عمدہ نتیجہ کوشش مہتمم صاحب کا ہے والحمدللہ علی ذلک- اللہ تعالی کی ذات سے امید ہے کہ انکا مہتمم ہونا مدرسہ کے ثبات اور ترقی کیلیے ایسا ہی مبارک ومفید ہوگا جیسا کہ انکے والد ماجد علیہ الرحمۃ والغفران کا قدم اور دست مبارک اس مدرسہ کی بنیاد اور سرپرستی کے واسطے مبارک ہوا اور امید ہے کہ آیندہ انکے اہتمام اور کوشش سے فوائد کثیرہ وترقیات زائد از خیال حاصل ہون آمین-

بارہ سال تک حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کار اہتمام دیکھتے رہے۔ پھر دارالعلوم کی ترقی اور کام بڑھ جانے کی وجہ سے انھیں معاون کی ضرورت ہوئی۔ چناں چہ انھیں کی درخواست پر ۱۳۲۴ھ میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کو معاون بنایا گیا اور ۱۳۲۵ھ سے انھوں نے کام شروع کیا۔ اس امر کی تفصیل بھی ۱۳۲۴ھ کی روداد سالانہ میں "جدید انتظامی تجویز" کے عنوان سے اس طرح ذکر کی گئی ہے:

معلوم ہوا کہ جماعت شوری مین چند صاحب لائق ومتدین شامل کیے جاوین اس لیے اس جلسہ مین بخیال استحکام وترقی مدرسہ جماعت شوری مین چند حضرات کا اضافہ کیا گیا جنکے اسمای گرامی یہ ہین۔

(۱) جناب مولانا مولوی حکیم مسعود احمد صاحب سلمہ خلف الصدق حضرت قطب العالم مولانا مولوی رشید احمد صاحب انار اللہ برہانہ (۲) جناب مولوی سعید الدین صاحب رامپوری مہتمم سائر کل ریاست بھوپال (۳) جناب مولوی ظہور علی احمد صاحب ساکن پور قاضی ضلع مظفر نگر وکیل عدالتہاے ریاست بھوپال (۴) جناب مولوی حبیب الرحمن صاحب دیوبندی خلف مولانا مولوی فضل الرحمن صاحب مرحوم ومغفور۔

تعمیر کتب خانہ تعمیر کتب خانہ کی ضرورت عرصہ سے محسوس ہورہی تھی جسکی منظوری حضرت سرپرست صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مین ہوچکی تھی اور نواب یوسف علیخان صاحب مرحوم نے مبلغ سات ہزار روپیہ اُسکی تعمیر کے لیے دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اسی مجمع مسعود مین متوکلاً علے اللہ اُسکی بنیاد مقدس حضرات کے ہاتون سے رکھی گئی اور مجمع عظیم نے ہاتھ اُٹھاکر اپنے مولے رحیم وکریم سے اسکے انجام وحسن اختتام کی دعا کی چنانچہ بحمد اللہ اُسکی تعمیر جاری ہی اور اکثر عمارت طیار ہوچکی ہے۔ لیکن جو کچھ تخمینہ ابتدا مین کیا گیا تھا وہ بہت تھوڑا تھا مکان اسقدر وسیع ہے کہ انشاء اللہ تعالی بعد تیاری کتب خانہ اور اُسکی متعلق ضروریات کے لیے کافی اور وافی ہوگا۔ مدرسین کی تعداد مین چونکہ کچھ اضافہ ہوچکا ہے اور ابھی اور بھی ہوگا اسوجہ سے درسگاہونکی بہت زیادہ ضرورت پیش آئیگی۔ مکان کتب خانہ کی تیاری کے بعد موجودہ کتب خانہ مین دو مدرس عمدہ طور سے درس دیسکین گے۔ جناب نواب یوسف علیخانصاحب نے جسقدر روپیہ عطا فرمایا تھا وہ ختم ہوچکا ہے۔ ہم امید کرتے ہین کہ حضرات محبان اسلام خاص طور سے اسکی طرف متوجہ ہوکر اس اہم ضرورۃ کی تکمیل کی فکر فرمادینگے۔ یہ مکان انشاء اللہ تعالے مدرسہ دیوبند کے کتب خانہ کے لئے نہایت مناسب اور موزون ہوگا جسکو سب خیر خواہ دیکھکر پسند فرماوینگے۔

جدید انتظامی تجویز اول بیان کیا گیا ہے کہ خدام مدرسہ نے اپنی طرف سے یہ عزم کرلیا تھا کہ مدرسہ کے ہر کام مین حتے الامکان ترقی کیجاوے۔ خصوصاً تعلیم جو مدرسہ کا اصل مقصد اُسکی تفہیم طلبہ کے تعداد مین اضافہ۔ مدرسین کا اضافہ۔ اس بناء براس جلسہ کے کچھ بعد بوجہ ہجوم جزئیات مختلفہ وضرورت اسفار ودیگر اہم امور کے مہتمم صاحب نے یہ راے ظاہر فرمائی کہ کوئی شخص لائق وہوشیار مدبر ومستعد ایسا تجویز ہونا چاہیئے جو امور انتظامیہ مین میرا ہاتھ بٹاوے اور جزئیات روزمرہ متعلقہ طلباء وملازمین وتعمیر کو قابل اطمینان انجام دیسکے تاکہ مطمئن القلب ہوکر مدرسہ کی ترقیات کی ہر قسم کی تدابیر کیجاسکین اور قریب وبعید کا سفر جسکی ضرورت ہمیشہ پیش آتی رہتی ہے اور اب زیادہ پیش آویگی کرسکون اور ترقی تعلیم مدرسہ کی خیالی صورتین جو ابتک ذہن مین ہین ظہور پذیر ہوسکین۔ جناب مولانا مولوی فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مربی وممبر قدیم مدرسہ بھی اُسوقت موجود تھے اُنہون نے اور دیگر واقفین حالات مدرسہ نے بنہایت استحسان اس راے کو

بابتہ سنہ ۱۳۲۴ھ　　　۱۲　　　روئداد مدرسہ عربیہ دیوبند

پسند اور منظور فرمایا اور دیگر ممبران نے بھی بخوشی اس رائے سے اتفاق کیا مولوی حبیب الرحمن صاحب جو ہمیشہ سے مدرسہ کے ہر ایک کام مین ساعی رہے ہین اور جنکی وجہ سے مدرسہ کو بہت بڑے منافع حاصل ہوئے ہین باتفاق رائے شوری اس کام کے لیے تجویز کیے گئے اگرچہ مولویصاحب موصوف بوجہ عذر مرض وضعف ان جزئیات کثیرہ کی ذمہ داری سے انکار کرتے تھے اور اسوجہ سے کہ انہون نے ہمیشہ خدمات شاقہ بلا عوض لوجہ اللہ انجام دین اور بھی زیادہ منکر تھے مگر مہتمم صاحب و دیگر اراکین کے اصرار سے مجبور ہو کر بالآخر منظور کیا والحمد للہ۔

یہ تجویز سنہ ۲۴ھ کے آخر مین ممبران مدرسہ موجودہ دیوبند نے منظور کی اور اسکی تکمیل و اجراء سنہ ۱۳۲۵ھ مین ہوا اسلیے اسکا پورا حال روئداد سنہ ۱۳۲۵ھ کی روداد سے معلوم ہوگا لیکن اسوقت تک بھی بحمد اللہ اسکا نتیجہ بہت اچھا ظاہر ہوا جناب مہتمم صاحب اور مولوی حبیب الرحمن صاحب کی توجہ سے تمام امور کلیہ و جزئیہ بہت خوبی سے اپنے اپنے موقع پر انجام پا رہے ہین اور مدرسہ کے چندہ مین نہایت خوبی کے ساتھ اس قسم کی تحریکات ہو رہی ہین جس سے ہر قسم کی ترقی کی امید کیجا سکتی ہے۔

یہ سلسلہ ۱۳۴۷ھ تک چلتا رہا اور پھر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ دارالعلوم کے چھٹے مہتمم بنائے گئے۔ یہ بات بالکل واضح اور بے غبار ہے کہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے انتقال کے بعد ہی حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کو مستقل مہتمم بنایا گیا۔

ہاں یہ بات مسلّم ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی دارالعلوم کے نظام کو سنبھالتے تھے اور دارالعلوم کے دفتری نظام کی مضبوطی اور نظم و ضبط میں حضرت مولانا کا بڑا حصہ ہے۔ لیکن بایں ہمہ اصولی اور آئینی طور پر وہ مستقل مہتمم نہیں تھے بلکہ ان کا درجہ حضرت مولانا محمد احمد کے بعد تھا، حضرت مولانا محمد احمد صاحب مستقل مہتمم تھے۔

جناب ابو عکاشہ رحمان صاحب نے محض اپنی ذہنی اپج کو ثابت کرنے کے لیے طول لاطائل عبارات اور حتی کہ ۱۳۱۷ اور ۱۳۲۷ھ کی دارالعلوم کی رودادہی نقل کر دی ہے، لیکن وہ اس سے حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کو ۲۵ سال کے مستقل مہتمم ثابت نہیں کر سکتے، جس چیز کو انھوں نے دلیل میں پیش کیا ہے یعنی پورے نظام

دارالعلوم کی اعلی درجے کی تنظیم، تو اس کا کوئی منکر نہیں ہے، بلکہ خود جامع و مختصر تاریخ میں اس حقیقت کو واشگاف انداز میں بیان کیا گیا ہے:

"۴۲/واں سال:۱۳۲۴ھ/۷-۰۶-۱۹۰۶ء

مجلس شوری نے حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ کو نیابت اہتمام کے لئے نامزد کیا۔ بائیس سال تک اس عہدہ پر رہتے ہوئے آپ نے نہایت مثالی انداز میں دارالعلوم کی خدمت کی۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۷۵)

"حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی ؒ کے اس دور میں دارالعلوم نے ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے خوب ترقی کی۔ مدرسہ عربیہ دیوبند حقیقی معنوں میں دارالعلوم بن گیا۔ تعلیم، نظم و انتظام، شعبہ جات، طلبہ کی تعداد اور عمارات وغیرہ ہر پہلو سے دارالعلوم کی ترقی ہوئی۔ اس عرصہ میں ملک و بیرون ملک کے تقریباً سترہ سو فضلاء تیار ہوئے۔ طلبہ کی تعداد تین سو سے بڑھ کر تقریباً نو سو ہوگئی اور اساتذہ کی تعداد بھی تقریباً تیس ہوگئی۔ دارالعلوم کا سالانہ بجٹ چھ ہزار سے متجاوز ہو کر پچانوے ہزار سالانہ تک پہنچ گیا۔ اس عرصہ میں حضرت شیخ الہندؒ کا دور صدارت اختتام پذیر ہو کر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا بابرکت دور گزرا اور اخیر میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا دور مبارک شروع ہوا۔ اس دور میں دارالعلوم کی مختلف عمارات وجود میں آئیں۔ دارالطلبہ کے علاوہ، گیٹ، دفتر اور مہمان خانہ کے کمرے تعمیر ہوئے۔ دارالحدیث کی پر شکوہ عمارت بھی اسی دور میں تعمیر ہوئی۔ دارالعلوم کی مسجد قدیم، ریلوے اسٹیشن کی مسجد اور کتب خانہ کی عمارتیں بھی اسی زمانے میں تعمیر ہوئیں۔ دار جدید کے وسیع دارالاقامہ کی تعمیر کی ابتدا بھی اسی عہد میں ہوئی۔ اس عرصہ میں شعبۂ مطبخ، شعبۂ دعوت و تبلیغ، درجۂ تکمیل، ماہنامہ القاسم اور ماہنامہ الرشید کا اجراء بھی عمل میں آیا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۸۲-۸۱)

"غرض کہ آپ (حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب) کے دور اہتمام میں دارالعلوم نے معنوی اور صوری دونوں حیثیتوں سے نہایت عظیم الشان ترقی کی جو اس سے پہلے اس کو حاصل نہ ہو سکی تھی، آپ کے زمانۂ اہتمام سے پہلے شعبہ جات اور دفاتر کا کوئی صاف ستھرا اور باقاعدہ نظام نہ تھا اور گو دارالعلوم معنوی حیثیت سے "دارالعلوم" بن چکا تھا مگر اپنی عمارتوں اور ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے آپ ہی کے زمانۂ اہتمام میں مدرسہ سے دارالعلوم بنا۔ شعبوں اور دفاتر کی تشکیل عمل میں آئی، حلقۂ اثر میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا۔ غرض کہ ہر حیثیت سے دارالعلوم کا قدم روز افزوں ترقی کی جانب گامزن رہا، چناں چہ آپ کا دور اہتمام دارالعلوم کی تاریخ میں اس کی ترقیوں کا نہایت تابناک اور زریں دور سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ آپ کے دانش مند مشیر اور نائب تھے جو ایک مانے ہوئے مدبر، عالم ربانی اور صاحب فراست بزرگ تھے۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۴۷۷-۴۷۶)

"آپ حضرت مولانا فضل الرحمنؒ کے خلف رشید تھے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کے حقیقی بھائی ہیں۔ حق تعالی نے آپ کو دین کا خاص فہم عطا فرمایا تھا۔ آپ کی دانش و تدبیر مشہور زمانہ تھی۔ ادبیات کے ماہر تھے، عربی نظم و نثر دونوں پر کمال قدرت رکھتے تھے۔ آپ کا تدبر و انتظام دارالعلوم کی تاریخ میں مثالی سمجھا جاتا ہے۔ دارالعلوم کی ترقی میں ان کی خدمات اور خداداد صلاحیتوں کو بڑا دخل حاصل تھا۔......

"۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی مصروفیتوں کے باعث نیز دارالعلوم کو ترقی دینے کے سلسلے میں ایک ایسے لائق اور منتظم شخص کی ضرورت پیش آئی جو انتظامی امور اور ترقی کی تجاویز میں حافظ صاحب کا ہاتھ بٹا سکے۔ اس کے لیے آپ سے زیادہ موزوں کوئی اور دوسرا شخص موجود نہ تھا، چنانچہ انکار کے باوجود آپ کو مجبور کر کے نیابت اہتمام کا منصب سپرد کر دیا گیا۔ یہ دارالعلوم کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ

جیسا کام کرنے والا بیدار مغز منتظم اور مخلص ہاتھ آگیا۔ اہتمام کے کاموں میں ان کو اس قدر شغف تھا کہ شب و روز کا بیشتر حصہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔"

"انہوں نے دارالعلوم کے شعبۂ انتظام و انصرام کو اتنا منظم اور مستحکم کردیا تھا کہ جب حکومت آصفیہ کی جانب سے نواب صدر یار جنگ بہادر دارالعلوم کے حسابات کی تنقیح کے لیے دیوبند آئے، تو ان کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایک ایک اور دو دو آنے تک کے حسابات کے کاغذات اور رسیدیں باضابطہ طور پر فائل میں موجود تھیں، نواب صدر یار جنگ بہادر کا بیان ہے کہ کوئی کاغذ ایسا نہ تھا کہ جو مانگا گیا ہو اور فوراً پیش نہ کردیا گیا ہو، حافظ صاحب کے عہد اہتمام کی ترقی در حقیت آپ ہی کی رفاقت کا نتیجہ سمجھی جاتی ہے، آپ ہمیشہ ان کے دست راست اور معتمد علیہ رہے۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۴۸۰)

اب آپ خود ملاحظہ فرمالیں کہ جامع و مختصر تاریخ میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانیؒ کے بارے میں کیا لکھا گیا ہے؟

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے بھی حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ دارالعلوم کے چھٹے مہتمم ہوئے اور آپ کا زمانۂ اہتمام شعبان ۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء تک رہا، موصوف کے مستقل اہتمام کا زمانہ تقریباً ڈیڑھ سال رہا۔ (دیکھیئے: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۹۶)

ص ۱۴۲: شیخ الہند کے والد کے انتقال کی خبر

جناب ابو عکاشہ رحمان صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ الہند کے والد کے انتقال کی خبر کے سلسلے میں تنگ دلی دیکھیئے : ان کو صرف رکن شوری اور خزانچی لکھا۔ (تاریخ کے قاتل، ص ۱۴۲)

جامع و مختصر تاریخ میں سال بہ سال واقعات کے ذیل میں واقعات کو مختصر الفاظ میں ایک ایک دو دو سطر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت مولانا ذوالفقار صاحب کا ذکر اس سے پہلے متعدد بار قیام دارالعلوم کے پس منظر، بناء و تاسیس دارالعلوم کے ذیل میں آچکا ہے۔ ایک قاری پہلے سے ہی ان سے واقف ہو چکا ہے، اس لیے ہر بات کا اعادہ بار بار ضروری نہیں۔ اور اان کا تفصیلی ذکر مشاہیر علماء و مشائخ کے ذیل میں صفحہ نمبر ۵۶۶ پر بھی موجود ہے۔

ص ۱۴۲: مولانا رشید احمد گنگوہی کے نام کے ساتھ القاب نہیں

جناب ابو عکاشہ صاحب کہتے ہیں:

۴۱/ویں سال کے تحت مولانا رشید احمد گنگوہی کے انتقال کی خبر ہے اور ان کے نام کے ساتھ بھی کوئی القاب نہیں لگائے گئے ہیں۔ (تاریخ کے قاتل، ص ۱۴۲)

جامع و مختصر تاریخ کی عبارت اس طرح ہے:

"۴۱/واں سال: ۱۳۲۳ھ /۰۶-۱۹۰۵ء: اس سال دارالعلوم کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۷۴)

آپ بتائیں اس عبارت میں کیا کمی ہے؟

حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کے ساتھ تفصیلات نہیں لکھی گئیں

"۴۳/ واں سال: حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا انتقال ہوا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۷۵)

جناب ابو عکاشہ صاحب کو اشکال ہے کہ فقط نام لکھ کر خبر دے دی، ان کے ساتھ تو زیادتی کی حد ہی کردی، یہ بھی نہیں لکھا...یہ بھی نہیں لکھا.....یہ بھی نہیں لکھا.....(تاریخ کے قاتل، ص)

حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا تذکرہ اس سے پہلے جامع و مختصر تاریخ میں قیام دارالعلوم کے پس منظر، بناء و تاسیس دارالعلوم کے ذیل میں بار بار آچکا ہے؛ قاری ان کی شخصیت سے اچھی واقف ہو چکا ہے۔ اور آخری باب میں ان کے سوانحی احوال بھی مذکور ہیں، جیسا کہ آپ نے اوپر ملاحظہ فرمایا۔

ص ۱۴۲: مولانا اسعد مدنی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیوں ہے؟

جناب ابو عکاشہ صاحب کہتے ہیں:

> "حالاں کہ صفحہ ۱۰۸ پہ خالص سیاسی شخصیت مولانا اسعد مدنی کے نام خوب القاب و آداب کے ساتھ لکھ کر ان کے مرنے کی خبر دی ہے اور یہ بھی جھوٹ بولا ہے کہ دارالعلوم کی ترقی اور توسیع میں آپ کا اہم حصہ ہے۔ یہی تو وہ شخصیت پرستی اور چاپلوسی ہے جس کا ذکر ہم نے گذشتہ صفحات میں بار بار کیا ہے۔" (تاریخ کے قاتل، ص ۱۴۲)

'تاریخ کے قاتل' کا اصل مقصد ہی مدنی خانوادہ کو نشانہ بنانا ہے۔ جامع و مختصر تاریخ کے مرتب کو انھوں نے تملق اور چاپلوسی کا بار بار الزام دیا ہے، آئندہ کسی عنوان کے تحت تملق کے اس الزام کا بھی جائزہ لیا جائے گا۔

سر دست ایک اصولی بات سمجھنے کی ہے کہ اس کتاب میں ایک چیز واضح طور پر نظر آتی ہے کہ جن امور کا ذکر تاریخ دارالعلوم میں آچکا ہے ان کو مختصر کر دیا گیا ہے اور جو امور تاریخ دارالعلوم میں نہیں آسکے ہیں یا تاریخ دارالعلوم لکھے جانے کے بعد پیش آئے ہیں ان واقعات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں سالانہ اہم واقعات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کیوں کہ وہ واقعات تاریخ

دارالعلوم میں شامل نہیں ہو سکے ہیں۔ مولانا اسعد مدنی کا تذکرہ بھی چوتھے دور (موجودہ دور) کے ذیل میں آتا ہے اس لیے اس میں قدرے تفصیل نظر آرہی ہے، آپ خود جامع و مختصر تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، یہ چیز بہت واضح طور پر نظر آئے گی۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت تھانوی کے انتقال کی خبر نہیں ہے

جناب ابو عکاشہ صاحب کو اعتراض ہے کہ سال بہ سال واقعات کے ذیل میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے انتقال کی خبر نہیں ہے۔(تاریخ کے قاتل، ۱۴۳، ۱۴۵)

اگرچہ ان حضرات کا تعلق (صدر مدرسی اور سرپرستی کا) دارالعلوم سے اس وقت قائم نہیں تھا تب بھی ان کے انتقال کی خبر ہونی چاہیے تھی۔ بہر حال جامع و مختصر تاریخ میں ان حضرات کی صدر مدرسی اور سرپرستی اور ان کی کتابوں وغیرہ کا ذکر بے شمار مواقع پر ہے۔ نیز دور ثانی کے علماء و اکابر کے تحت ان حضرات کے تفصیلی احوال بھی مذکور ہیں۔ دیکھیں ص ۲۴۷ فہرست اکابر دور ثانی اور پھر ان کے حالات۔

واضح رہے کہ تاریخ دارالعلوم میں بھی سالانہ احوال کے تحت ہر دو حضرات کے انتقال کی خبر موجود نہیں ہے۔

ص ۱۴۴: دارالحدیث فوقانی اور حضرت مدنی

جامع و مختصر تاریخ میں سال ۱۹۳۳ء کے حالات کے تحت لکھا ہے کہ "درس حدیث کے لیے دارالحدیث فوقانی کے نام سے ایک ہال کی تعمیر کی ابتدا ہوئی جس میں حضرت مدنی نے تاعمر درس حدیث دیا"۔ تاریخ کے قاتل کے مصنف کو اشکال ہے:

> "فاضل مرتب ہندوستانی نسل کے مدنی کہے جانے والے اشخاص سے بہت عقیدت رکھتے ہیں؛ اسی لیے موقع ہو یا نہ ہو ان کے ذکر خیر کی جگہ

ضرور نکال لی جاتی ہے۔ درس حدیث کے لیے ہال کی تعمیر کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ یہ جملہ بڑھانے کی کیا ضرورت ہے کہ ''حضرت مدنیؒ نے تاعمر اس ہال میں درس دیا''۔...اگر نام لکھنا ہی ضروری تھا تو پھر علامہ شبیر احمد عثمانی، علامہ ابراہیم بلیاوی، مولانا سید فخر الدین احمد، مولانا شریف حسن صاحب وغیرہ کا ذکر بھی کرنا چاہیے تھا۔ مؤرخ کو تنگ نظر اور شخصیت پرست نہیں ہونا چاہیے۔'' (تاریخ کے قاتل، ص۱۴۴)

اب اگر ابوعکاشہ صاحب کو صحیح معلومات نہ ہوں تو کوئی کیا کرے؟ نو درے کے اوپر دارالحدیث فوقانی کی تعمیر جس زمانے میں ہوئی وہ شیخ الاسلام حضرت مدنی کا اولین دور ہے۔ تعمیر مکمل ہونے کے بعد آپ نے ۳۴ سال تک اس میں بخاری و ترمذی کا درس دیا ہے۔ آپ اس وقت صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے، دارالحدیث فوقانی آپ کی مخصوص درس گاہ تھی۔ آپ کے بعد حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور انھوں نے دارالحدیث میں پندرہ سال درس دیا۔ بعد میں حضرت مولانا شریف الحسن صاحب شیخ الحدیث ہوئے اور انھوں نے بھی اس دارالحدیث میں پانچ سال درس بخاری دیا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی دارالعلوم میں استاذ حدیث تھے، شیخ الحدیث نہیں رہے اور جس زمانے میں وہ دارالعلوم میں پڑھاتے تھے اس زمانے میں دارالحدیث فوقانی کی تعمیر ہی نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس زمانے میں نو درہ کی ایک تحتانی درس گاہ دورۂ حدیث کی تعلیم کے لیے مخصوص تھی۔ اسی طرح حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی بھی صدر مدرس تھے، شیخ الحدیث نہیں تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مشیخت حدیث کی نسبت صرف شیخ الحدیث کی طرف کی جاتی ہے۔ اس کے بعد دورۂ حدیث کی تعلیم دارالحدیث تحتانی میں ہونے لگی۔ حضرت مدنی کی طویل مدت (۳۴سال) اور بہ یک وقت دونوں اہم عہدوں (صدر مدرس اور شیخ الحدیث) پر متمکن ہونے کی بنیاد پر اگر ان کا نام نمایاں ہے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟

ص ۱۴۵ تا ۱۴۷: حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی تاریخ وفات

پھر جناب ابو عکاشہ صاحب کو یہ اشکال ہے کہ ۱۹۴۹ء کے احوال سالانہ کے ذیل میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے انتقال کی خبر نہیں ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے انتقال کی خبر صحیح مقام یعنی ۱۹۴۹ء میں نہ دے کر ۱۹۵۴ء کے تحت دے رہے ہیں، اور ایک ہی جملے میں چار حضرات کے انتقال کی خبر دے رہے ہیں۔(ص،۱۴۵)

یہ صحیح ہے کہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے انتقال کی خبر ۱۹۴۹ء کے تحت نہیں ہے جو ہونی چاہیے تھی۔ لیکن اولاً تاریخ دارالعلوم میں بھی اس سن کے احوال کے ذیل میں اس حادثہ کا کوئی ذکر نہیں۔ ثانیاً جامع و مختصر تاریخ پڑھنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس ذیل میں عموماً انھیں حضرات کی خبریں دی گئی ہیں جن کا دارالعلوم سے اس وقت تعلق قائم تھا، یا جن کے احوال اس کتاب میں تفصیلی نہیں آسکے، تو محض ایک ریکارڈ کے طور پر ان کے انتقال وغیرہ کی اہم خبریں سالانہ مختصر حالات کے ذیل میں دی گئی ہیں۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے احوال اور مختلف عناوین کے تحت ان کا نام پوری کتاب میں بار بار آیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ میں از صفحہ ۵۰۲ تا ۵۰۶، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے احوال مطالعہ فرماسکتے ہیں۔

جناب ابو عکاشہ صاحب کو یہاں ایک غلط فہمی ہوئی ہے، ۱۹۵۴ء کے تحت جن مولانا شبیر احمد کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت علامہ عثمانی نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ایک دوسرے رکن ہیں۔ آپ خود پوری عبارت ملاحظہ فرمالیں۔

ص ۱۴۵: حضرت مدنی کی تاریخ وفات اور شخصیت پرستی کا الزام

جناب ابو عکاشہ صاحب لکھتے ہیں:

"اگلے ہی صفحہ پر شخصیت پرستی کی اسارت میں اپنے پروں کر پھڑ پھڑاتے ہیں اور خوب جوش سے حضرت مدنی کے انتقال کی خبر اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ ان سے پہلے کسی اور کی خبر اس انداز سے نہیں لکھی، یعنی قمری شمسی دونوں تاریخوں اور مہینوں کے نام کی تفصیل کے ساتھ۔ کتاب کے گذشتہ صفحات میں بہت سے علماء حضرات کے انتقال کی خبر دی گئی ہے؛ لیکن جس طرح حضرت مدنی اور آئندہ صفحات میں مولوی اسعد مدنی کے انتقال کی خبر تحریر ہے، اس طرح کسی شخص کے مرنے کا تذکرہ نہیں ہے، اس کو شخصیت پرستی کہا جاتا ہے۔" (تاریخ کے قاتل، ص ۱۴۵)

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے۔ جناب ابو عکاشہ صاحب کی 'بے لاگ حقیقت بیانی' کا بھرم لفظ 'مدنی' آتے ہی کھل جاتا ہے۔ بہر حال آپ خود ملاحظہ فرمالیں کہ حضرت مدنی کے انتقال کے خبر کس طرح ہے:

"۹۵/واں سال: ۱۳۷۷ھ /۵۸-۱۹۵۷ء

۱۲ جمادی الاولی / ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کے انتقال پر ملال کا سانحہ پیش آیا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۹۰)

حضرت مدنی انتقال کے وقت دارالعلوم کے صدر مدرس، شیخ الحدیث تھے، کیا ان کے انتقال کی خبر ان الفاظ کے ساتھ بھی جناب ابو عکاشہ صاحب کو ہضم نہیں ہو سکتی۔

بہر حال مثال کے طور پر ان سے قبل اور ان کے بعد انتقال پانے والے کچھ دیگر حضرات کے انتقال کی خبر ذیل میں دی جارہی ہے جو بالکل حضرت مدنی کے انتقال کی

خبر کے انداز سے جامع و مختصر تاریخ میں درج ہے۔ آپ خود جناب ابو عکاشہ صاحب کی کذب بیانی اور افترا پردازی ملاحظہ فرمالیں:

"٦٦/واں سال:٤٨-١٣٤٨ھ / ٣٠- ١٩٢٩ء

٣ رجب / ٥ دسمبر ١٩٢٩ء کو دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ کا روح فرسا سانحۂ وفات پیش آیا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ٨٠)

"٩٢/واں سال: ١٣٧٤ھ / ٥٥-١٩٥٤ء

دارالعلوم کے مفتی اعظم شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ٨٩)

"١٢١/واں سال: ١٤٠٣ھ / ٨٣-١٩٨٢ء

٦/ شوال ١٤٠٣ھ (١٧ جولائی ١٩٨٣ء) کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا سانحۂ انتقال پیش آیا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ١٠٠)

حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے سلسلے میں بات آئندہ ایک مستقل عنوان کے تحت آئے گی، ان شاء اللہ۔

ص ١٤٧ تا ١٥١: جامعہ طبیہ کی تحلیل کا قضیہ

١٩٦٠ء اور ١٩٨٥ء کے سالانہ احوال کے ذیل میں جامع و مختصر تاریخ میں جامعہ طبیہ کی تحلیل کے واقعہ کو اس انداز پر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"بعد میں قانونی مجبوریوں کی وجہ سے اسے دارالعلوم سے ختم کردیا گیا"۔ ص ٩١

"مختلف مسائل و مشکلات کی وجہ سے جامعہ طبیہ کو تحلیل کردیا گیا"۔ ص ١٠٢

جناب ابوعکاشہ صاحب کہتے ہیں کہ اس کی تفصیل ہونی چاہیے تھی، اس سلسلے میں انھوں نے متعدد صفحات سیاہ کر دیے ہیں۔

ہمیں بھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ موضوع ذرا تشنہ ہے اور اس کی مزید تفصیل ہوتی تو اچھا تھا، کیوں کہ جامعہ طبیہ دارالعلوم کا ایک مفید شعبہ تھا۔ لیکن اس کی تحلیل کے ذیل میں جناب ابوعکاشہ صاحب نے پورے معاملہ کو مولانا اسعد مدنی صاحب سے جوڑا ہے، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ پورا دارالعلوم وہی چلا رہے تھے، مہتمم اور مجلس شوریٰ جس میں حضرت مولانا منظور نعمانی، حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی اور حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم جون پوری جیسے اساطین تھے، ان کی کچھ نہ چلی ہو اور ان کی کوئی رائے نہ رہی ہو۔ یہ بالکل خلاف واقعہ بات معلوم ہوتی ہے، دارالعلوم کے محافظ خانہ کے ریکارڈ سے مزید حقائق تک پہنچا جا سکتا ہے۔

جامعہ طبیہ دیوبند وغیرہ میں اب بی یو ایم ایس جیسے کورسز پڑھائے جاتے ہیں جن کو پڑھ کر نکلنے والے خود کو ڈاکٹر لکھنا اور کہلوانا پسند کرتے ہیں اور حکیم لکھنے میں ہتک محسوس کرتے ہیں۔ پریکٹیکل زندگی میں وہ بیشتر ایلوپیتھک دواؤں سے علاج کرتے ہیں۔ طب یونانی اب صرف درس تک محدود رہ گئی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ طب یونانی کے احیاء کی فکر کی جائے اور یہ ذمہ داری دارالعلوم وجمعیۃ سے زیادہ جامعہ طبیہ دیوبند، جامعہ ہمدرد، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسے اداروں کی ہے کہ وہ اس عظیم اور مفید ورثہ کے فروغ کی طرف توجہ دیں اور فضلائے مدارس کے لیے مناسب کورسز کا آغاز کریں۔

جامعہ طبیہ کی تحلیل کے ذیل میں تبصرہ کرتے ہوئے کچھ جملوں میں جناب ابوعکاشہ صاحب نے اپنے ذہنی دیوالیہ پن، علمی سطحیت اور جاہلی عصبیت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:

> **"جب کھیتوں میں ہل چلانے والے اور کپڑا بننے والے لوگ استاد کی مسند پہ آجائیں اور اسی طرح غیر انسب و غیر اشرف گھرانوں کے لڑکے**

اعلی تعلیم حاصل کرنے لگ جائیں تو زوال یقینی ہو جاتا ہے۔ یہی ہو بھی رہا ہے، اعلی تعلیم ہمیشہ ہی سے اشراف و انساب کے خاندانوں میں پروان چڑھی ہے، کم نسبتوں اورنااہلوں سے علم کو ہمیشہ نقصان ہوا ہے۔" (تاریخ کے قاتل، ص۱۴۹)

درج بالا عبارت پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کرتے، قارئین خود فیصلہ فرمائیں۔ البتہ گزارش ہے کہ کسی پر نشانہ سادھنے کے بجائے آں حضور اپنی اعلی نسبی کے باوجود اپنی نااہلی پر رونا دھونا کریں اور غور فرمائیں کہ کیوں ان کے ہاتھ سے علم کی عظیم دولت نکلتی جارہی ہے؟ نیز، ذہنی وفکری تنگنائیوں سے نکل کر اسلامی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں کہ حضرات صحابہ، تابعین و تبع تابعین اور مابعد کے ادوار میں کس طرح ممالیک و موالی اور علمائے عجم نے علمی ورثہ کو سنبھالا اور اسے ترقی دی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری کی 'ہر پیشے میں علم اور علماء' اور حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی 'غلامان اسلام' بہ طور خاص دیکھی جاسکتی ہے۔

ص ۱۵۱: حضرت مولانا محمد میاں کے انتقال کی خبر

جناب ابو عکاشہ صاحب نے حضرت مولانا محمد میاں کے انتقال کے خبر میں غلطی کی نشان دہی کی ہے۔ ان کی نشان دہی صحیح ہے، یہ ایک فروگزاشت ہے جس کی تصحیح ہونی چاہیے۔

دارالعلوم دیوبند کا موجودہ دور

اس عنوان کے تحت دو ٹائپنگ و پروف ریڈنگ کی غلطیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو بادی النظر میں صحیح معلوم ہوتی ہے۔

پھر حضرت مولانا غلام محمد وستانوی کے مدت اہتمام 'سات ماہ' پر تبصرہ کرتے ہوئے حسب عادت مدنی خانوادے کے 'فضائل' پر ایران توران کی باتوں میں پانچ صفحات سیاہ کر دیے ہیں اور اس سلسلے کو ان چند جملوں پر ختم کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"ہندوستان کے مسلمانوں کی یہی تو بد نصیبی ہے کہ انھیں تاریخ کے تلخ حقائق کے بجائے مفاد پرست علماء تصوف کے نام پر رہبانیت کے اندھیروں میں جھونک رہے ہیں۔ یہاں کے طلبہ میں نہ جہاد کا جذبہ بیدار کیا جاتا ہے، نہ ہی تاریخ کی صحیح معلومات فراہم کی جاتی ہے، برعکس اس کے اذکار و مراقبے کی ترغیب دے کر قیادت کے بجائے غلامی و اطاعت کی تعلیم کا سلسلہ عام ہے۔" (تاریخ کے قاتل، ص۱۵۸)

کیا دارالعلوم کے تمام اکابر بشمول حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت شیخ الہند وغیرہ اذکار و مراقبے کی تعلیم نہیں دیتے تھے، اور کیا وہ اذکار و مراقبے کی ترغیب دے کر لوگوں کو غلامی سکھاتے تھے۔ 'تاریخ کے قاتل' کی علماء دشمنی کا یہ ایک نمونہ ہے، ورنہ ان کے زہریلے لہجے اور طرز تحریر میں یہ پہلو جگہ جگہ نمایاں ہے۔

ص۱۵۸تا۱۶۵: دارالعلوم کی تعلیمی ترقی

دارالعلوم کے چوتھے اور موجودہ دور کے سلسلے میں صاحب 'تاریخ کے قاتل' نے یہ تبصرہ فرمایا ہے:

"صفحہ نمبر ۹۸ کے آخری پیراگراف کی سطر نمبر چار میں لکھا ہے: "اس دور میں دارالعلوم نے تعلیمی، انتظامی اور تعمیری جہتوں میں خوب ترقی کی۔" اس جملے میں لفظ "تعلیمی" پر ہمیں اعتراض ہے۔ فاضل مرتب نے خالص جھوٹ لکھا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ دارالعلوم کی تاریخ میں یہی وہ دور ہے جس میں تعلیمی معیار بد سے بدتر ہوتا چلا گیا۔ اور تعلیمی جہت نے ترقی نہیں کی؛ بلکہ انحطاط و زوال کی لامتناہی پستیوں کا ایسا سلسلہ شروع ہوا

کہ آج دارالعلوم کا تعلیم یافتہ دنیا میں کسی کام کا نہیں رہتا۔ یہ حقیقت آج ہر انسان اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ روزگار کا ہو گیا ہے۔......
آپ یہاں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عالموں کو دنیاوی شعبوں میں تو پہلے بھی ملازمت نہیں ملتی تھی؛ لیکن یہ کہنا غلط نہیں ہوگا؛ کیوں کہ دارالعلوم کے بانیوں میں سے ایک حضرت مولانا قاسم نانوتوی خود میرٹھ میں ایک اخبار کے لیے تصحیح کا کام کرتے تھے۔" (تاریخ کے قاتل، ص۱۵۸تا۱۵۹)

اس سے آگے جناب ابو عکاشہ صاحب نے حسب عادت حضرت مولانا سید اسعد مدنی کو بے جا طور پر بیچ میں لاتے ہوئے ایران توران کی ہانکی ہے۔ بہر حال ہم نہایت مختصر لفظوں میں صد سالہ کے بعد موجودہ دور میں دارالعلوم کی تعلیمی، انتظامی اور تعمیری ترقی کا جائزہ لیں گے، ایسی ترقی جو سب کو نظر آتی ہے اور وہ محض کسی پمفلٹ یا رسالہ میں لکھی ہوئی نہیں بلکہ ہر ایک ذی ہوش انسان اور انصاف پسند شخص اس کا ادراک کر سکتا ہے۔

تعلیمی ترقی کے سلسلے میں ۱۹۸۲ء کے بعد سب سے نمایاں کام داخلے کے نظام کی اصلاح ہے۔ پہلے تقریری داخلے ہوتے تھے، جسے بدل کر تحریری کر دیا گیا۔ داخلے میں بہت چھان بین اور سختی کے باوجود طلبہ کا جم غفیر ہر سال دارالعلوم پہنچتا ہے، اب تو تقریباً پندرہ ہزار طلبہ کھنچ کر دارالعلوم کے امتحان داخلہ میں شریک ہوتے ہیں اور ان میں سے تقریباً ڈیڑھ ہزار منتخب کیے جاتے ہیں۔ یہ طلبہ اولین طور پر دارالعلوم میں ہی داخل ہونا چاہتے ہیں، لیکن ناکام ہونے کے بعد مجبوراً دیگر مدارس کا رخ کرتے ہیں۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ صد سالہ کے بعد مدرسہ ثانویہ کا نظام قائم کیا گیا اور درجہ چہارم تک کی بنیادی اور اہم تعلیم کو مضبوط کیا گیا جو کہ اس سے پہلے بہت کمزور تھی۔ علاوہ ازیں حفظ و تجوید کی تعلیم میں بھی نمایاں ترقی دیکھنے کو ملی۔ تعلیمی ترقی کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس دوران مختلف تعلیمی شعبہ جات کھولے گئے یا نئے کورسز متعارف

کرائے گئے جن میں تدریب فی التدریس، تدریب فی الافتاء، تخصص فی الحدیث، تکمیل علوم، شعبۂ انگریزی، شعبۂ کمپیوٹر، شیخ الہند اکیڈمی، تحفظ ختم نبوت، رد عیسائیت، تحفظ سنت، سلسلۂ محاضرات علمیہ اور قیام مکاتب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

الحمدللہ آج دارالعلوم اپنی سابقہ روایات کے ساتھ سرگرم سفر ہے اور پوری دنیا میں اس کو آج بھی اعلی وارفع مقام حاصل ہے۔ غیر ملکی طلبہ ویزوں وغیرہ کی پریشانی کی وجہ سے دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے نہیں آپاتے، ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن ممالک کے طلبہ کو ویزوں کی سہولت مل جاتی ہے وہ جوق در جوق دارالعلوم آکر پڑھنا چاہتے ہیں۔ مثلاً اس وقت ہندوستانی حکومت سے اچھے تعلقات کی وجہ سے افغانستان کے طلبہ کو ویزہ دیا جارہا ہے؛ چناں چہ ہر سال افغانی طلبہ کی ایک بڑی تعداد دارالعلوم میں داخل ہورہی ہے۔ میرے اندازے کے مطابق اس وقت سو (۱۰۰) کے قریب افغانی طلبہ ہوں گے۔ یہ بین الاقوامی سطح پر دارالعلوم کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ دوسری طرف عالم عرب سے بڑے بڑے علماء ووزراء اور مغربی دنیا کے سفارت کار، سینئر جرنلسٹ، مصنفین اور اسکالرس روزآنہ دارالعلوم آرہے ہیں۔ دارالعلوم کی ترقی کھلی آنکھوں محسوس ہوتی ہے، لیکن اگر کسی کو نہ دِکھے تو اس کا کیا علاج:

گرنہ بیند بہ روز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب راچہ گناہ؟

جناب ابوعکاشہ صاحب کی کتاب کے اقتباس کا آخری دوسطری ٹکڑا آپ دوبارہ ملاحظہ فرمائیں، اس سے ان کے مبلغ علم اور اکابرین دیوبند کے سلسلے میں ان کے علم و معلومات کی سطح کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز، اگر انھیں کی طرح تبصرہ کیا جائے تو حضرت نانوتویؒ کا نام انھوں نے بہت ہلکا کرکے پہلے تو 'بانیوں میں سے ایک' کہا، پھر پورا نام (محمد قاسم) نہیں لکھا اور اخیر میں 'صاحب' تک نہیں لگایا، اور 'رحمۃ اللہ علیہ' لکھنے کی بات تو بہت دور کی۔

ص۱۶۶تا۲۱۹: دارالعلوم کے اختلافات کا ذکر مختصر کیوں؟

جناب ابوعکاشہ صاحب کو اشکال ہے کہ صد سالہ کے بعد دارالعلوم کے اندر رونما ہونے والے اختلافات کو بہت مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان واقعات کی تفصیل لکھی جانی چاہیے تھی۔ پھر انھوں نے دارالعلوم کے اختلافات اور حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے سلسلے میں واہی تباہی تقریباً پچاس صفحات میں بیان کی ہے اور اسی ذیل میں حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی کا ایک پورا رسالہ نقل کر دیا ہے۔

یہاں یہ بات بہت دل چسپ ہے کہ ظاہری طور پر دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ اور انقلاب کے ہیرو مولانا وحید الزماں کیرانوی محض مولانا سید اسعد مدنی کی مخالفت میں لکھنے کی وجہ سے محترم و معظم گردانے جارہے ہیں اور انقلاب دارالعلوم کے ان کے سارے 'گناہ' معاف ہو چکے ہیں۔ ع: ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

جہاں تک ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اختلافات کو زیادہ تفصیل سے بیان کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، بلکہ الٹا نقصان کا خدشہ ہے۔ خود تاریخ دارالعلوم میں اکابرین کے درمیان رونما ہونے والے مختلف واقعات کو بہت سرسری اور مختصر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت منشی حاجی سید فضل حق صاحب کے استعفاء کا محض ذکر آتا ہے، لیکن اس کی تفصیل نہیں ملتی کہ کیوں دیا۔ دراصل اس کے پیچھے ایک اہم اختلاف کا معاملہ ہے جس میں حضرت حاجی سید فضل حق صاحب پر غبن کا الزام لگایا گیا، جو بعد میں غلط ثابت ہوا۔ چناں چہ اس واقعہ سے افسردہ ورنجیدہ ہو کر حضرت سید حاجی فضل حق صاحب نے اہل وعیال کے ساتھ دیوبند کی سکونت ترک کر دی اور پھر کبھی واپس نہ آئے۔ (دیکھئے: قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی: احوال و آثار، باقیات و متعلقات، از مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی، ص۳۳۸)

اسی طرح ۱۳۴۱ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کو نائب مہتمم بنائے جانے اور کچھ دیگر امور پر کچھ اساتذۂ دارالعلوم بہ طور خاص حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور دارالعلوم انتظامیہ کے درمیان نہایت کربناک اور شدید اختلافات رونما ہوئے۔ دارالعلوم کی تاریخ کا یہ نہایت سنگین اختلاف تھا جو چار سال تک جاری رہا۔ اس دوران حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی سے جبری استعفاء لیا گیا، مارپیٹ کے واقعات ہوئے اور بالآخر اس کی وجہ سے ۱۳۴۵ ھ میں حضرت علامہ کشمیری، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی ، بہت سے اکابر علماء اور طلبہ دارالعلوم سے نکل گئے۔

لیکن تاریخ دارالعلوم میں ان واقعات کو بہت مختصر بیان کیا گیا ہے ، حتی کہ حضرت قاری صاحب کے نائب مہتمم بنائے جانے کے واقعے کو اس پس منظر میں بالکل ذکر ہی نہیں کیا گیا ہے، جب کہ اس زمانے کی روداد اور المہاجر اور الانصار رسائل میں اس کی بہت کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔ تاریخ دارالعلوم جلد اول میں ان واقعات کے اختصار کی وجہ خود جناب سید محبوب رضوی صاحب نے صفحہ ۲۷۲ کے حاشیہ میں یہ لکھی ہے:

لہ اختلاف کا یہ سلسلہ جو ۱۳۴۴ھ سے شروع ہوا تھا تقریباً ۱۳۴۶ھ تک باقی رہا، دارالعلوم کے ریکارڈ سالانہ رودادوں اور نیز اس سلسلے میں شائع ہونے والے اخبار "الانصار" اور "مہاجر" کے فائلوں میں تفصیلی حالات مذکور ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ باتیں وقتی تھیں، اب نہ وہ حالات باقی ہیں اور نہ اُن واقعات کی تفصیلات اپنے اندر کوئی مفید پہلو رکھتی ہیں، راقم سطور نے جزئیات و تفصیلات کو ترک کرکے واقعات کے ایسے نقاط کا بیان کر دینا کافی سمجھا ہے جن سے واقعات کے اہم پہلو سامنے آجائیں۔

نفحۃ العنبر میں بھی حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری نے اس واقعہ کو سوانح حضرت کشمیری 'نفحۃ العنبر فی حیاۃ امام العصر انور' میں بڑے کرب اور ضبط کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

رحيله من دار العلوم الديوبندية ، ووصوله إلى الجامعة الإسلامية السورتية .

ثم نشأ نوع تشاجر فى ساحة دار العلوم الديوبندية ، وأصبح سبباً لأمور رأينا تركها أولى حذار أن يفرط القلم أو أن يطغى فتزل قدم بعد ثبوتها ، وصيانة لعجالتنا هذه عن صمات وكس أوشطط فيتخذها الناس مهجورة ولم يكد أن يأمن الملهوف فى إظهار شكاته عن شطط أو فرط ، كيف ؟ وقد قيل: «إذا قرح الجنان بكت العينان» «وإنما الأعمال بالنيات»، والقلوب عنا محجوبة ، فنكل إلى الله ذوات الصدور . وقد قال عز من قائل : « ألا إلى الله تصير الأمور » . علا أن القلب لايحتمل ذكر تلك الملمات التى نزلت بساحتها ، فإنها فجعت قلوباً وأكباداً ، بيد أن على ذلك تدور رحى الأيام، وتجول دون قطبها نوائب الزمان ، وإليه المفزع والمشتكى : ولله در القائل :

عسى وعسى يثنى الزمان عنانه بتصريف حال والزمان عثور
فتقضى لبانات وتشفى حسائك ويحدث من بعد الأمور أمور

وقد تأذى الشيخ رحمه الله بتلك النوائب الكارثة ، وتألم بها قلبه حتى لم يلتئم جروحه الناعبة إلى آخر عمره ، وكان لاينبس بها إلا قليلاً ، ومع هذا إذا ذكر منها شيئاً تراه كأن قلبه يقطر دماً ، مع كونه صبوراً وقوراً ، يقاسى الملمات ، ويعانى المرمات ، لم نر له نظيراً ولامثيلاً فى هذه المزية كسائر مزياه . وإلى هذا أشار فى بعض أشعاره فيما أرى ، حيث قال :

وهل من كسير البال آذاه دهره لقاءك إلا بالدموع السوائل
وقال: فقدت به قلبى وصبرى وحيلتى ولم ألق إلا ريب دهر تصرما
وقال: ومن عبرات العين ما لا أسيغه ومن غلبات الوجد ما كان همهما
وقال: ومن نفثات الصدر ما لا أبثه ومن فجعات الدهر ما قد تهججا
وقال: تكففت دمعى أو كففت عنانه وصار مجارى الدهر حتى تقدما

حضرت بنوری کے بہ قول حضرت علامہ کشمیری کو اس اختلاف کی وجہ سے ایسا زخم لگا کہ تا عمر وہ مندمل نہ ہوا۔ وہ عموماً اس سلسلے میں بات نہیں کرتے تھے، تاہم جب کبھی یہ سلسلہ چھڑ جاتا، تو ان کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔ (نفحۃ العنبر، ص ۱۴)

اسی طرح ۱۳۵۴ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سرپرست دارالعلوم اور مجلس شوریٰ کے درمیان سرپرست کے منصب کی حیثیت سے متعلق اختلافات رونما ہوئے اور بالآخر حضرت تھانوی نے سرپرستی سے استعفاء دے دیا، یہ واقعہ بھی تاریخ دارالعلوم میں بہت مختصر لکھا گیا ہے۔

اسی طرح ۱۳۶۱ھ میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی صدارت اہتمام اور صدر مہتمم کی آئینی حیثیت کے سلسلے میں اختلافات ہوئے اور بالآخر حضرت مولانا عثمانی کو صدارت اہتمام سے مستعفی ہونا پڑا۔ اس واقعہ کی تفصیل بھی تاریخ دارالعلوم میں نہیں ملتی۔

ہمارے خیال میں اختلافات کے سلسلے میں یہی روش مناسب ہے اور ایسے واقعات کو اچھالنا، کریدنا اور پھیلانا غیر دانش مندی ہے۔ خاص طور پر شوریٰ اور اہتمام کے چالیس سال پرانے اختلاف کو ذکر کرنا اور گڑے مردے اکھاڑنا، جب کہ خود صاحب معاملہ شخصیات اس معاملہ کو دفن کرنے کا فیصلہ کر کے اور دل صاف کر کے اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہیں، سراسر فتنہ انگیزی اور شر پسندی معلوم ہوتی ہے۔

۱۹۸۰ء کے بعد کے اختلافات اور ان کا معروضی جائزہ

جہاں تک صد سالہ کے بعد کے اختلافات کا معاملہ ہے، ان اختلافات کی اصولی طور پر کیا نوعیت تھی، اس کا مختصر ذکر 'جامع و مختصر تاریخ' میں آگیا ہے۔ موجودہ دور کے ذیل میں ۱۱۹/ویں اور ۱۲۰/ویں سال کے تحت اختلاف کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ تاہم ہم اس اختلاف کا ایک معروضی جائزہ پیش کر رہے ہیں تا کہ 'تاریخ کے قاتل' کے ذریعہ جو دعوے کیے گئے ہے ان کی حقیقت لوگوں کے سامنے آجائے، ورنہ در حقیقت یہ ایسا موضوع ہے کہ اسے قلم پر لانے کو دل تیار نہیں ہے۔ بقول شاعر: اگر گویم زباں سوزد، نہ گویم استخواں سوزد

دارالعلوم دیوبند میں اجلاس صد سالہ منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء کے بعد اختلافات پیدا ہوئے جو بالآخر دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علیحدگی پر منتج ہوئے۔ ان پر آشوب ایام میں دارالعلوم دیوبند میں باہمی اختلافات کی وجہ سے ایسے متعدد واقعات پیش آئے جو واقعۃً افسوس ناک اور تکلیف دہ تھے، لیکن دارالعلوم کی حفاظت اور بقا و ترقی کے لیے کچھ اقدامات ضروری تھے جو اکابرین دارالعلوم نے اٹھائے اور دارالعلوم کو اس کربناک صورت حال سے باہر نکالا۔

یہ اختلافات در اصل ایک آئینی اور دستوری مسئلہ پر پیدا ہوئے جس میں دارالعلوم کی مجلس شوری اور دارالعلوم کے مہتمم باہم فریق تھے۔ مجلس شوری کا موقف تھا کہ مجلس شوری کی حیثیت 'ہیئت حاکمہ' (Governing Body) کی ہے اور دارالعلوم کے تمام تعلیمی و انتظامی امور میں اس کا فیصلہ حرف آخر ہو گا جو سب کے لیے واجب التعمیل ہو گا۔ دوسری طرف اس وقت کے مہتمم (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ) تھے جن کا موقف تھا کہ دارالعلوم کے نظم و انصرام میں

مہتمم کو بالا دستی حاصل ہونی چاہیے اور مجلس شوری کی حیثیت محض مشورہ دینے تک محدود ہونا چاہیے جس کا نفاذ مہتمم کی صواب دید پر منحصر ہو۔

اس اختلاف کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم دارالعلوم دیوبند کے دستور اساسی، مجلس شوری اور مہتمم کی دستوری حیثیت پر ایک نظر ڈال لیں، کیوں کہ یہ اختلافات اسی محور پر گھومتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا دستور اساسی

دستور اساسی، اکابر دارالعلوم میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے عہد سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی تک مجلس شوری کی تجاویز پر مشتمل ایک مضبوط دستاویز ہے؛ کیوں کہ ابتدا میں دارالعلوم کا نظم و انتظام مجلس شوری کی نگرانی میں چلتا رہا اور جس سلسلہ میں ضرورت پیش آتی رہی، اکابر دارالعلوم شریعت کے مطابق احکام نافذ کرتے رہے۔ اکابر دارالعلوم اور مجلس شوری کے یہ احکام 'آئین مدرسہ' کے نام سے سال اول کی روداد سے طبع ہوتے رہے ہیں۔

پھر ترقی پذیر دارالعلوم میں اس دستور کو باقاعدہ مرتب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو مجلس شوری کے ایک تجربہ کار اور قانونی دماغ رکھنے والے ممبر مولانا محمود احمد رام پوری نے مجلس شوری کے حکم سے ایک مختصر دستور اساسی مرتب کیا۔ پھر کچھ دنوں بعد مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی نے مجلس شوری کی درخواست پر اس پر نظر ثانی فرماکر اس کو باقاعدہ اور مفصل بنایا۔ پھر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں مجلس شوری نے مکمل اور مفصل دستور کی ضرورت محسوس کی اور اس وقت کے مہتمم (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب) کو دستور اساسی مرتب کرنے کا مکلف بنایا۔ حضرت قاری صاحب نے ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں دستور مرتب فرماکر مجلس شوری میں پیش کیا۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب نے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کے عہد میمون سے دیگر اکابر کے عہد تک کی مجلس شوریٰ کی

تجاویز اور بنیادی رہنما اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ دستور اساسی مرتب کیا۔ پھر مختلف مجلسوں میں اس دستور اساسی کے دفعات اور مشمولات پر بحث ہوتی رہی اور بالآخر ۲۲ شعبان ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۴۹ء میں اس دستور کو پاس کر دیا گیا اور ۱۱ شوال ۱۳۶۸ھ مطابق ۶/اگست ۱۹۴۹ء سے اسے نافذ العمل قرار دیا گیا۔ آج تک اسی دستور کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔

واضح رہے کہ اس وقت کے مہتمم حضرت قاری محمد طیب صاحب نے ہی اس دستور کو آخری شکل دی اور مجلس شوری نے جب اس دستور کو نافذ العمل قرار دیا تو وہ بھی اس مجلس شوری کے ایک فرد کے طور پر اس میں شریک تھے۔ نیز حضرت قاری صاحب کی طرف سے دستور اساسی کی بنیاد پر دارالعلوم کو ۱۹۶۵ء میں سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ بھی کرایا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری

دارالعلوم کا نظم و نسق شروع ہی سے شورائی اصول پر قائم ہے۔ اس کے لیے ایک با اختیار مجلس اعلی ہے جس کی تشکیل قیام دارالعلوم کے ساتھ ہی عمل میں آگئی تھی۔ یہ جماعت مجلس شوری کے نام سے موسوم ہے۔ مجلس شوری دارالعلوم کی سب سے با اختیار مجلس ہے۔ دارالعلوم کا تمام نظم و نسق اسی جماعت کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی جملہ تجاویز در بارہ انتظام و تعلیم قطعی اور جملہ کارکنان دارالعلوم کے لیے واجب التعمیل ہوتی ہیں۔ ہر قسم کے اختیارات اور انتظامات جو دارالعلوم کے استحکام و ترقی اور حصول مقصد کے لیے ضروری یا مفید ہوں، مجلس شوری کے ہاتھ میں ہیں۔ دارالعلوم کی مجلس شوری ایک طرف چندہ دینے والوں کی نمائندگی کرتی ہے، اسے چندہ دہندگان کے شرعی وکیل کی حیثیت حاصل ہے۔ مجلس شوری دارالعلوم کے آمد و صرف اور اہم انتظامی امور کے متعلق کثرت رائے سے اپنے فیصلے صادر کرتی ہے۔ دارالعلوم کی تمام کارروائیاں اور تمام ضروری فیصلے دستور اساسی کی روشنی میں طے پاتے ہیں۔ مجلس

شوری انتظامی آئین وضوابط وضع کرتی ہے۔ دارالعلوم کے جملہ اوقاف اور جائدادیں اس کی تولیت و نگرانی میں ہیں اور یہی مجلس دارالعلوم کے مسلک کی حفاظت اور ملازمین کے عزل و نصب کی ذمہ دار ہے۔ (مجلس شوری کی آئینی حیثیت، اجلاسات اور فرائض واختیارات کے لیے دیکھئے: دستور اساسی مع آئین دارالعلوم دیوبند، ص ۷ تا ۱۶)

مہتمم دارالعلوم دیوبند

مہتمم دارالعلوم شوری کی جانب سے منتخب کیا ہوا ادارے کے اندرونی نظم و انتظام کا سربراہ اعلی ہوتا ہے۔ شعبہ تعلیمات کے علاوہ دارالعلوم کے جملہ شعبہ جات کی نگرانی و نظم کا ذمہ دار اعلی اور بہ حیثیت عہدہ مجلس شوری کا رُکن ہوتا ہے۔ مجلس شوری کی نظامت کے فرائض مہتمم دارالعلوم انجام دیتا ہے اور مجلس شوری و مجلس عاملہ وغیرہ کے اجلاسات بلانا، ایجنڈہ مرتب کرنا اور ان مجالس کے تجاویز اور فیصلہ جات کو نافذ کرنا اس کے فرائض و اختیارات میں داخل ہے۔ مہتمم دارالعلوم کے جملہ امور میں صرف مجلس عاملہ اور مجلس شوری کے روبرو جواب دہ ہوگا۔ مہتمم کو مجلس شوری کی طرف سے نظم و نسق قائم رکھنے کے لیے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ (مہتمم کی آئینی حیثیت اور فرائض و اختیارات کے لیے دیکھئے: دستور اساسی مع آئین دارالعلوم دیوبند، ۲۰ ص ۷ تا ۲۵)

اختلافات دارالعلوم اور مولانا اسعد مدنی

اس پورے قضیہ میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے رول اور ان کے کردار پر جناب ابوعکاشہ صاحب نے بہت زیادہ زور دیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی اس وقت دارالعلوم سے کسی طرح متعلق نہیں تھے، نہ استاذ تھے، نہ رکن شوری اور نہ کچھ اور۔ یہ سارا کا سارا معاملہ مجلس شوری کے اکثر اراکین (جن میں اہم اراکین جیسے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی

ندوی، حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم جون پوری وغیرہ) اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے درمیان تھا۔ 'تاریخ کے قاتل' کے بیان سے ایسا لگتا ہے کہ یہ پورا معاملہ حضرت مولانا اسعد مدنی اور حضرت قاری صاحب کے درمیان تھا۔

دارالعلوم دیوبند کا قضیہ عوام کی عدالت میں

(از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی)

اختلاف دارالعلوم کی اصل نوعیت کیا تھی اور حضرت مولانا سید اسعد مدنی کا پورے اختلاف دارالعلوم میں کیا رول اور کردار تھا۔ ہم نہیں چاہیں گے کہ اپنی زبان و قلم سے ان اکابر کی شان میں کچھ کہیں، البتہ جن اکابر حضرات نے پورے انصاف اور ادب اختلاف کی رعایت کے ساتھ اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، ان میں سے ایک حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ہیں جو مجلس شوری کے سب سے موقر اور قدیم رکن تھے۔ ان کے اس مختصر رسالہ میں دارالعلوم میں پیدا شدہ اختلاف کی نوعیت، ابتدا اور انتہا سب آگئی ہے۔ اس کے لیے کافی ہوگا کہ آپ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے رسالہ کو پڑھ لیں، اس سے پورے معاملہ کی حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی۔

قارئین کی گراں باری کے احساس کے ساتھ ہم بادل ناخواستہ اس کتاب کا عکس اگلے صفحات میں پیش کررہے ہیں تاکہ الزام و اتہام اور کردار کشی کی جو چادر بنی گئی ہے اس کی بوسیدگی کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

دارالعلوم دیوبند کا قضیہ

عوام کی عدالت میں

مولانا قاری محمد طیب صاحب اور مجلس شوریٰ دارالعلوم

قاری صاحب کا استعفا اور اسکے بعد

از

مولانا محمد منظور نعمانی رکن مجلس شوریٰ

شائع کردہ: دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

۳

تقریب اور تعارف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ وبحمدہٖ

یہ عاجز اب سے ۶۰ سال پہلے دارالعلوم دیوبند کا طالب علم تھا۔ ۴۰ سال سے اس کی مجلس شوریٰ کا رکن ہے اور موجودہ منتخب ارکان میں سب سے قدیم رکن ہے، مولانا محمد طیب صاحب مجھ سے بھی متقدم ہیں، لیکن وہ منتخب رکن نہیں ہیں، اپنے عہدۂ اہتمام کے لحاظ سے رکن رہے ہیں، وہ ہر حیثیت سے بڑے اور قابلِ احترام ہیں، اور راقم سطور کا رویہ اُن کے ساتھ ہمیشہ نیاز مندانہ رہا ہے۔ لیکن جب انھوں نے کچھ مفاد پرست فتنہ پرداز عناصر کی سازش کا شکار ہو کر دارالعلوم کے "دستورِ اساسی" اور اس کی "مجلسِ شوریٰ" کو کالعدم قرار دے کر سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینے کی وہ افسوسناک جدوجہد شروع کی جس کا شریعت، اخلاق اور قانون کی رو سے کوئی جواز نہیں تھا (جس کی کچھ تفصیل آئندہ صفحات سے معلوم ہوگی) اور کبر سنی سے پیدا شدہ ان کی موجودہ حالت کی بنا پر یقین تھا بلکہ مشاہدہ اور تجربہ ہو رہا تھا کہ اس صورت میں ان اختیارات کو یہ ناخدا ترس فتنہ پرداز لوگ ہی استعمال کریں گے اور دارالعلوم ان کے لیے "خوانِ یغما" ہو جائے گا۔۔۔ تو بحیثیت رکن مجلسِ شوریٰ اپنا فرض سمجھا کہ دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم سے مخلصانہ تعلق رکھنے والے بندگانِ خدا کو خصوصاً اور امتِ مسلمہ کو عموماً اس خطرناک صورتحال سے باخبر کیا جائے اور اس سازش کو ناکام بنانے کے لیے جو ممکن ہو کیا جائے۔۔۔ اس مقصد سے "الفرقان" کے مختلف شماروں میں مضامین بھی لکھے۔ لیکن "الفرقان" کا دائرۂ اشاعت محدود ہے، اس لیے اپنے ملک کے بھی بعض دور دراز علاقوں سے اور دوسرے مختلف ممالک سے بھی ایسے خطوط بکثرت آتے رہے جن سے معلوم ہوا کہ وہاں کے مخلصوں کو صورت حال کا کوئی علم نہیں ہے بلکہ ان فتنہ پرداز عناصر کے انتہائی ناخدا ترسانہ پروپیگنڈہ سے وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو اس عاجز نے مستقل کتابچہ کی شکل میں اشاعت کے لیے یہ مضمون لکھا جو آپ کے سامنے

ہے ــــ اس میں صرف وہی واقعات لکھے گئے ہیں جن کا لکھنا اس عاجز کے نزدیک صورت حال کو سمجھنے کے لیے ضروری تھا۔

یہ دوسرا اڈیشن:

یہ مضمون گزشتہ شوال ۱۴۰۲ھ کے پہلے ہفتہ میں لکھا گیا تھا اور جب ہی شائع ہو گیا تھا، اسی شوال کے آخری ہفتہ میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہونے والا تھا جس میں مولانا محمد طیب صاحب کے بارے میں آخری فیصلہ کیا جانا تھا، اُن کے اُن افسوسناک اقدامات کی وجہ سے جنھوں نے دارالعلوم اور جماعتِ دارالعلوم کو وہ نقصان پہنچایا جو کوئی دشمن نہیں پہنچا سکتا تھا (جن کی تفصیل آئندہ صفحات سے معلوم ہوگی) مجلس شوریٰ کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں رہا تھا کہ دارالعلوم کے اہتمام سے وہ ان کی معزولی اور برطرفی کا فیصلہ کرے (جو مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے لیے انتہائی ناخوشگوار اور کڑوا گھونٹ تھا۔)

۲۴ شوال ۱۴۰۲ھ (۱۵ اگست ۱۹۸۲ء) کو جب مجلس شوریٰ کا جلسہ ہو رہا تھا، بمبئی کے دو معزز و محترم حضرات آئے (جو مولانا قاری محمد طیب صاحب کے خاص ارادتمندوں میں ہیں) خود قاری صاحب کے قلم کا لکھا ہوا دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا مجلس شوریٰ میں پیش کر دیا، ارکان شوریٰ نے غور و فکر کے بعد اس کو قبول اور منظور کر لینے کا فیصلہ کیا۔ راقم سطور نے اس استعفے سے متعلق بھی ایک مضمون لکھا ہوا اس کتابچہ کے ضمیمہ کی حیثیت سے شائع ہو گیا تھا۔ اب جب کہ اس کتابچہ کا دوسرا اڈیشن شائع ہو رہا ہے تو اس ضمیمہ کے مضمون کو بھی اسی میں شامل کر دیا گیا ہے۔ نظرثانی میں کچھ ترمیم و اضافہ بھی ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس کتابچہ کو پڑھ کر دارالعلوم دیوبند کے افسوسناک قضیہ کو اور اس سلسلہ میں مولانا قاری محمد طیب صاحب اور مجلس شوریٰ کے اختلاف کو پوری طرح سمجھا جا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع بنائے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللّٰہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ (لکھنؤ)

۲۰ صفر ۱۴۰۳ھ، ۷ دسمبر ۱۹۸۲ء

۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالعلوم دیوبند اب سے قریباً ایک سو بیس ۱۲۰ سال پہلے اللہ کے چند مخلص بندوں کی اجتماعی فکر و کوشش سے عوامی چندے کی بنیاد پر ایک ابتدائی اسلامی مدرسہ کی شکل میں قائم ہوا تھا۔ اس کے بانیوں کے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو خاص قبولیت نصیب ہوئی اور وہ جلد ہی ہمارے اس برصغیر میں دین اور علم دین کا سب سے بڑا مرکز بن گیا اور "دارالعلوم دیوبند" کے نام سے اس کی شہرت ہو گئی۔

دارالعلوم کا دستور وآئین اور اس کی مجلس شوریٰ

تمام باضابطہ بڑے اداروں اور یونیورسٹیوں کی طرح دارالعلوم کا بھی ایک دستور اور آئین ہے اور ایک مجلس منتظمہ ہے جس کا عنوان اور نام شروع ہی سے "مجلس شوریٰ" رہا ہے، دستور کی واضح دفعات کے مطابق وہی دارالعلوم کی اعلیٰ اختیاری مجلس، ہیئت حاکمہ (گورننگ باڈی) ہے جس کے ہاتھ میں دارالعلوم کے نظم و نسق سے متعلق سارے اختیارات ہیں۔

موجودہ دستور کے مطابق مجلس شوریٰ کے انیس ۱۹ منتخب ارکان ہوتے ہیں جو اکابر دیوبند کے مسلک سے وابستہ ملک کے ممتاز علماء و صلحاء ہوتے ہیں۔ ان کے انتخاب کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی رکن کی وفات ہو جائے یا کوئی مستعفی ہو جائے تو باقی ارکان مجلس شوریٰ کے جلسہ میں ان کی جگہ دستور میں مذکور شرائط کے مطابق کسی اہل شخصیت کو منتخب کر لیتے ہیں۔ ان ۱۹ منتخب ارکان کے علاوہ دارالعلوم کے مہتمم اور صدر مدرس بھی اپنے عہدوں کے لحاظ سے مجلس شوریٰ کے رکن ہوتے ہیں۔

۶

موجودہ دستور، قدیم دستور پر نظرثانی کے بعد مولانا محمد طیب صاحب کے اہتمام ہی کے دور میں اب سے ۳۵ سال پہلے (۱۳۶۸ھ میں) مجلس شوریٰ نے منظور کیا تھا، خود مولانا محمد طیب صاحب بھی اس کے واضعین میں شامل تھے اور یہ عاجز راقم سطور بھی، اور ہم دونوں نے اُس پر دستخط کیے تھے (اس وقت کے ارکان شوریٰ میں سے اب صرف ہم دونوں ہی اس دنیا میں ہیں، باقی سب حضرات عالم آخرت کی طرف منتقل ہو چکے ہیں۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی رَحْمَةَ الْاَبْرَارِ الصَّالِحِيْنَ ۰) پھر اُس وقت سے اب تک مولانا محمد طیب صاحب ہی کے حکم اور ہدایت سے وہ دستور دفتر اہتمام سے برابر طبع ہو کر شائع ہوتا رہا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کسی جماعت یا ادارے کے دستور کی حیثیت معاہدہ اور میثاق کی ہوتی ہے اور ادارے یا جماعت سے تعلق رکھنے والا ہر فرد اس کا پابند ہوتا ہے۔

دار العلوم کے موجودہ دستور میں "مجلس شوریٰ" کے عنوان کے تحت مندرجہ ذیل دفعات بھی ہیں۔

دفعہ۷۔ دار العلوم کی ایک با اختیار جماعت ہوگی جس کا نام "مجلس شوریٰ" ہوگا۔ دار العلوم کا تمام نظم و نسق اس جماعت کے ہاتھ میں ہوگا۔

پھر اسی دفعہ۷ کے ضمن و میں مجلس شوریٰ کے اختیارات و فرائض کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے۔

"اور تمام ملازمین کے نصب و عزل، ترقی و تنزل اور تنخواہوں، عہدوں اور فرائض کی تعیین اور عہدوں و فرائض کو تبدیل کرنا۔"

آگے اسی دفعہ۷ کے ضمن ط میں لکھا گیا ہے۔

"خزانہ دار العلوم" کی حفاظت اور اُس کی درآمد برآمد کے اصول مقرر کرنا اور اس کی جانچ کرنا۔"

پھر اسی دفعہ کے ضمن ی میں لکھا گیا ہے۔

"تمام املاک و اوقاف دارالعلوم پر قبضہ کر کے ان کی حفاظت کرنا اور اُن کی آمدنی وصول کرنا اور بوقت ضرورت عدالتی کارروائی کی منظوری دینا۔"

پھر اسی دفعہ کے ضمن ن میں لکھا گیا ہے۔

"مذکورہ بالا اختیارات کے علاوہ ہر قسم کے اختیارات و انتظامات جو دارالعلوم کے استحکام و ترقی اور حصول مقصد کے لیے ضروری یا مفید ہوں "مجلس شوریٰ" کے ہاتھ میں ہوں گے۔"

(دستور اساسی و آئین دارالعلوم دیوبند ۷-۸-۹ مطبوعہ ۱۹۷۳ء ۱۳۹۳ھ)

یہ مجلس شوریٰ ہی دارالعلوم کے لیے مہتمم کا تقرر کرتی ہے جس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ مجلس کی تجاویز اور فیصلوں کے مطابق دارالعلوم کا نظام چلائے اور اگر وہ باتنخواہ ہوتا ہے تو مجلس شوریٰ ہی اس کی تنخواہ مقرر کرتی ہے، وہ مجلس کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے (دستور میں ان سب باتوں کی صراحت ہے)

بحیثیت مہتمم دارالعلوم مولانا محمد طیب صاحب کا تقرر

اب سے قریباً ۵۰ سال پہلے ۱۳۴۸ھ میں جب اس وقت کے مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رح کی وفات ہوئی تو مجلس شوریٰ نے مولانا محمد طیب صاحب کا بحیثیت مہتمم تقرر کیا اور اپنی صوابدید کے مطابق ان کی تنخواہ سو روپے ماہوار مقرر کی[1] اس وقت سے وہی مہتمم رہے اور قریباً نصف صدی کی اس مدت میں ان کا رویہ یہی رہا کہ وہ دستور کے مطابق "مجلس شوریٰ" کو ہیئت حاکمہ تسلیم کرتے ہوئے اس کی تجاویز اور فیصلوں کے تحت دارالعلوم کا نظام چلاتے رہے۔

مولانا محمد طیب صاحب کی پیرانہ سالی اور اس کے اثرات

اب ان کی عمر ۹۰ سال کے قریب ہو چکی ہے، اس کبرسنی کی وجہ سے کئی سال

---

[1] اس سے تین چار سال پہلے مجلس شوریٰ ہی نے ان کو نائب مہتمم بھی مقرر کیا تھا۔

۸

پہلے سے ان کے ظاہری قویٰ اور معاملات کے فہم وفکر کی صلاحیت میں بھی ضعف پیدا ہو گیا تھا (جو قانون فطرت کا لازمی تقاضا ہے) مجلس شوریٰ کے متعدد اہم ارکان چند سالوں سے محسوس کر رہے تھے کہ مولانا محمد طیب صاحبؒ اپنی کبر سنی کی وجہ سے اب اس حال میں نہیں ہیں کہ دارالعلوم جیسے عظیم و وسیع ادارہ کے اہتمام کی ذمہ داری ان پر رہے، اس کی وجہ سے دارالعلوم میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، ان محترم ارکان کا خیال تھا کہ مجلس شوریٰ اُن کی طویل خدمتِ دارالعلوم کا لحاظ رکھتے ہوئے اس مسئلہ کو خوبصورتی سے حل کرے اور اہتمام کی ذمہ داریاں کسی دوسرے کے سپرد کی جائیں۔

فتنہ کی پیدائش

اسی زمانہ میں ایک نئے فتنہ کی پیدائش ہوئی، بعض فتنہ پرداز لوگ جو مولانا محمد طیب صاحب کی کبر سنی سے پیدا ہونے والی اس کیفیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی توقعات رکھتے تھے، انھوں نے سازش کر کے پلان بنایا کہ موصوف کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ مجلس شوریٰ کو اور دارالعلوم کے دستور اساسی کو نظر انداز کر کے اور کالعدم قرار دے کر سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ پہلے دہلی سے شائع ہونے والے انتہائی گھٹیا قسم کے ایک ہفتہ وار اخبار میں (جس کی مالی سرپرستی مولانا محمد طیب کے ایک قریبی عزیز فرماتے تھے) مجلس شوریٰ اور دستور کے خلاف انتہائی سوقیانہ انداز میں مضامین شائع کرائے گئے اور لکھا گیا کہ مولانا محمد طیب صاحب دارالعلوم کے مختارِ کل ہیں۔ اس کے بعد مولانا محمد طیب صاحب کے طرز عمل سے معلوم ہوا کہ وہ بھی ان فتنہ پردازوں کی اس سازش کا شکار ہو گئے (اور غالباً اپنی کبر سنی کی وجہ سے انھوں نے سمجھا کہ ایسا ہو سکتا ہے) بہرحال انھوں نے ان فتنہ پردازوں کی بات قبول کر لی اور اس خطرناک راستہ پر چلنے کا فیصلہ فرما لیا۔

دارالعلوم کے دستور و آئین کی رُو سے سال میں مجلس شوریٰ کے دو اجلاس

۹

لازمی ہیں، ایک ماہِ محرم میں، دوسرا رجب میں ــــ مارچ ۱۹۸۰ء (جمادی الاول ۱۴۰۰ھ) میں دارالعلوم کا صد سالہ اجلاس ہوا تھا، یہ سال ختم ہو کر ۱۴۰۱ھ شروع ہوا، دستور اور ہمیشہ کے معمول کے مطابق مولانا محمد طیب صاحب کو بحیثیت مہتمم، مجلس شوریٰ کا دعوت نامہ جاری کرنا چاہیے تھا، بلکہ از روئے دستور یہ اُن کے فرائض میں تھا، لیکن انھوں نے دعوت نامہ جاری نہیں کیا۔ محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، مہینوں پر مہینے گزرتے گئے، مگر دعوت نامہ جاری نہیں ہوا، پھر بعض ذرائع سے ارکان شوریٰ کو اس سازش کا علم ہوا جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور یہ معلوم ہوا کہ مولانا محمد طیب صاحب نے اب طے فرمالیا ہے کہ مجلس شوریٰ کا اجلاس وہ نہیں بلائیں گے اور دارالعلوم کا سارا انتظام خود ہی چلائیں گے ــــ چنانچہ انھیں دنوں میں انھوں نے ایسے متعدد احکام جاری فرمائے جن کا ان کو کوئی اختیار نہیں تھا، وہ ”مجلس شوریٰ“ ہی کے دائرۂ اختیار کے تھے، ایک تحریری حکم کے ذریعہ اپنے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم مقرر فرمادیا۔ ان کے ساتھ دارالعلوم کے ایک استاذ مولانا انظر شاہ کو قائم مقام صدر مدرس بنا دیا، اس کے علاوہ مالیات کے متعلق بھی متعدد ایسے احکام اور فیصلے صادر فرمائے جن کا دستور کی رُو سے ان کو کوئی اختیار نہیں تھا، مثلاً تمام چھوٹے بڑے ملازمین اور اساتذہ جن کی تعداد ڈھائی سو سے اوپر تھی، سب کی تنخواہیں دوگنی کردیں، خود اپنی تنخواہ جو گیارہ سو روپے کے قریب تھی خود اپنے حکم اور قلم سے قریباً بائیس ۲۲ سو کرلی، اس کے علاوہ گریڈوں میں بھی اضافہ کیا جس کی وجہ سے مجموعی اضافہ دوگنے سے بھی بہت زیادہ ہوگیا، بعض ملازمین نے خود بتلایا کہ دارالعلوم کے خزانے سے یہ عنایت ہم لوگوں پر اس لیے فرمائی گئی ہے کہ اگر اُن کے اور مجلس شوریٰ کے درمیان اختلاف کی صورت پیدا ہو تو ملازمین کی ساری فوج ان کا ساتھ دے ــــ اس کے علاوہ بھی اِس زمانے میں انھوں نے بعض ایسے تصرفات کیے جس کے وہ مجاز نہیں تھے۔

۱۰

بعض ارکانِ مجلس شوریٰ کا اقدام

اب ارکانِ مجلس شوریٰ کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ اپنے فرض اور اپنی دنیوی و اُخروی ذمہ داری کو نظر انداز کر کے وہ دارالعلوم کے معاملات سے بے تعلق اور دستبردار ہو جائیں اور ان بدنیت فتنہ پردازوں کی سازش کو کامیاب ہونے دیں جو مولانا محمد طیب صاحب کی کبر سنی کی کیفیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی توقعات رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ امانتِ دارالعلوم کی حفاظت کا فرض ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان ارکان نے بھی دوسرا فیصلہ کیا۔

دارالعلوم کے دستور میں ایک دفعہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مجلس شوریٰ کا اجلاس ضروری ہو اور مہتمم دعوت نامہ جاری نہ کریں تو مجلس کے کوئی بھی رکن چھ دیگر ارکان کی تائید کے ساتھ اجلاس بلانے کے لیے مہتمم کو نوٹس دیں اگر اس پر بھی وہ دعوت نامہ جاری نہ کریں تو ان رکن کو خود حق ہوگا کہ وہ دعوت نامہ جاری کر دیں اور مجلس شوریٰ کا اجلاس بلائیں۔

دستور کی اسی دفعہ کے تحت مجلس کے سات ارکان کی طرف سے مولانا محمد طیب صاحب سے اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس کارروائی نے ان کو مجبور کر دیا کہ وہ مجلس شوریٰ کا اجلاس بلائیں ــــ چنانچہ وہ اجلاس رجب ۱۴۰۱ھ (مئی ۱۹۸۱ء) میں بلایا گیا۔ اس کا ایک ایجنڈا مجلس کے اُن رکن کی طرف سے بھی جاری کیا گیا جنھوں نے چھ ارکان کی تائید کے ساتھ اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس ایجنڈے میں ایک دفعہ دارالعلوم کے نظام کو بہتر اور مستحکم کرنے سے متعلق بھی تھی اور اکثر ارکان کی پہلے ہی سے یہ رائے تھی کہ مولانا محمد طیب صاحب کی کبر سنی کی وجہ سے دارالعلوم کے نظام میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اس لیے ان کی طویل خدمتِ دارالعلوم کے اعتراف اور ان کے شخصی اعزاز و اکرام کے ساتھ اہتمام کی گراں بار ذمہ داری سے ان کو اب سبکدوش کر دیا جائے

11

اور یہ ذمہ داری کسی اور کے سپرد کردی جائے۔

مولانا محمد طیب صاحب کی ایک درخواست اور مجلس شوریٰ کا فیصلہ

جب جلسہ میں ایجنڈے کی اس دفعہ پر گفتگو شروع ہوئی تو خود مولانا محمد طیب صاحب نے قریباً دو صفحے کی ایک تحریر بطور درخواست مجلس کے سامنے پیش کی اور خود ہی اس کو پڑھ کر سنایا۔ اس میں انھوں نے اپنے بارے میں تحریر فرمایا تھا۔

"میں اب ضعیف ہوچکا ہوں، بتقاضائے عمر قویٰ اور اعصاب جواب دیتے جارہے ہیں خصوصاً قوت سماعت اور قوت حافظہ زیادہ متاثر ہوئی ہے جس سے بحث وغیرہ کے وقت مسائل مشکل سے کان میں پڑتے ہیں اور جزئیات مستحضر نہیں رہتیں"۔

آگے تحریر فرمایا تھا:

"ان حالات اور وجوہات کی بنا پر میری درخواست ہے کہ داخلی نظم کی مسؤلیت کا تعلق مجھ سے نہ رکھا جائے اور جوابدہی سے مجھے ہلکا کردیا جائے جو کلیۃً نیابت اہتمام پر عائد کی جائے[1]"۔

لیکن اسی کے ساتھ اسی تحریر میں انھوں نے یہ خواہش بھی ظاہر فرمائی تھی کہ اس حالت میں بھی وہ منصب اہتمام پر برقرار رہنا چاہتے ہیں، مجلس شوریٰ نے ان کی کبر سنی کا لحاظ کرکے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ چراغ سحری ہیں نیز اختلاف و انتشار سے بچنے کے لیے ان کی غلطیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے ان کی یہ درخواست منظور کرلی اور ارکان شوریٰ ہی میں سے مولانا مرغوب الرحمن صاحب کو معاون مہتمم اور مولانا محمد عثمان صاحب کو نائب مہتمم مقرر کردیا۔ (مولانا نصیر احمد خاں صاحب پہلے ہی سے نائب مہتمم تھے) اور دارالعلوم کے تعلیمی، مالی، انتظامی

---

[1] مولانا محمد طیب صاحب کی درخواست کے یہ اقتباسات مجلس شوریٰ منعقدہ رجب کی اس کارروائی میں دیکھے جاسکتے ہیں جو خود مولانا موصوف کے اہتمام سے شائع ہوئی تھی۔

۱۲

تمام شعبوں کا ذمہ داران ہی حضرات کو بنا دیا اور مولانا محمد طیب صاحب کو ان ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا۔

مولانا محمد سالم صاحب کی نیابت اہتمام کا مسئلہ

مولانا محمد طیب صاحب کی خواہش تھی کہ اُن کے بڑے بیٹے مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم بنا کے یہ ذمہ داری اُن کے سپرد کی جائے[1] اس کے لیے مولانا موصوف نے بعض ارکانِ شوریٰ سے (جن میں یہ عاجز راقم سطور بھی شامل ہے) نجی گفتگو بھی کی لیکن ان حضرات نے اس کو دارالعلوم کے حق میں مناسب نہیں سمجھا اور وہ اس کے لیے آمادہ نہیں ہو سکے۔

ماہ رجب ۱۴۰۱ھ کی اس مجلس شوریٰ کے قریباً دو مہینے کے بعد شوال میں پھر مجلس شوریٰ کا جلسہ بلایا گیا، اس موقع پر بھی مولانا محمد طیب صاحب نے پہلے نجی طور پر بعض اہم ارکان سے اس کی کوشش کی کہ مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم بنا دیا جائے اور جلسہ کے آخری دن ایک تجویز سے متعلق اپنے اختلافی نوٹ میں تحریری طور پر بھی مجلس کے سامنے اس مسئلہ کو رکھا لیکن مجلس کے حاضر ارکان میں سے کسی ایک نے بھی اس سے اتفاق نہیں کیا۔

مجلس شوریٰ اور دستور سے بغاوت اور جنگ کا فیصلہ

رجب کی مجلس شوریٰ میں بھی تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہوئے تھے۔ شوال کی اس مجلس میں بھی سارے فیصلے اتفاق رائے سے ہوئے صرف ایک مسئلہ (صدارت تدریس کے خالی منصب پر مولانا معراج الحق صاحب کے تقرر کا مسئلہ) متفقہ طور پر طے نہ ہو سکا۔ مجلس کے

---

[1] جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اس جلسہ شوریٰ سے چند مہینے پہلے مولانا محمد سالم صاحب کو مولانا محمد طیب صاحب نے بطور خود ہی نائب مہتمم مقرر کر دیا تھا اس کے بعد کچھ مدت وہ نائب مہتمم رہے لیکن بعد میں خود مولانا محمد طیب نے غالباً یہ سوچ کر کہ اگر مجلس شوریٰ نے اس کو نامنظور کر دیا تو آئندہ کا امکان بھی ختم ہو جائے گا خود ہی اپنا یہ حکم واپس لے لیا تھا۔

۱۳

جو دہ حاضر ارکان میں سے گیارہ کی رائے اس تجویز کے حق میں تھی اور تین حضرات کو اختلاف تھا، جن میں ایک مولانا محمد طیب صاحب بھی تھے، مجبوراً اس کا فیصلہ دستور و آئین اور معمول کے مطابق کثرتِ رائے کے اصول پر کیا گیا (مجلس شوریٰ کے ان دونوں جلسوں میں صدر اس عاجز راقم سطور کو بنایا گیا تھا۔)

شوال کا یہ جلسہ شوریٰ بھی تین دن مسلسل جاری رہ کر بخیر و خوبی ختم ہوا، اور ہم ارکان میں سے کسی کو بھی اس کا شبہ بلکہ وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ مولانا محمد طیب صاحب عمر کی اس آخری منزل میں مجلس شوریٰ اور دارالعلوم کے دستور و آئین سے بغاوت اور جنگ کا فیصلہ کریں گے، لیکن ہم سب کی بدقسمتی سے ایسا ہی ہوا۔

شوال کی مجلس شوریٰ کے چند ہی روز بعد دیوبند کی اطلاعات سے معلوم ہوا کہ مولانا محمد طیب صاحب کے ہاں مسلسل خفیہ میٹنگیں ہو رہی ہیں اور اس پر غور کیا جا رہا ہے کہ مجلس شوریٰ اور دستور کو کالعدم کر کے سارے اختیارات ہاتھ میں لینے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ ان اطلاعات سے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ دارالعلوم کے مختلف دفاتر سے کاغذات بھی منتقل کیے جا رہے ہیں ۔۔۔ پہلے تو ان اطلاعات پر یقین نہیں آیا، لیکن جب بعد میں مولانا محمد طیب صاحب کی طرف سے دہلی میں ۴ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو ایک اجتماع کیا گیا اور اس میں مجلس شوریٰ پر بے اعتمادی ظاہر کر کے اس کی جگہ ایک "ایڈہاک کمیٹی" بنائی گئی اور پھر دو ہفتے بعد اس کمیٹی کا جلسہ دارالعلوم میں ۲۲ اکتوبر کو خود مولانا محمد طیب صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا اور اس میں مجلس شوریٰ اور دارالعلوم کے دستور و آئین کو "کالعدم" قرار دیا گیا اور اس طرح کے اور بھی متعدد عجیب و غریب فیصلے فرمائے گئے اور یہ تجاویز اور فیصلے مولانا محمد طیب صاحب کی طرف سے شائع ہوئے تو معلوم ہوا کہ شوال کے جلسہ شوریٰ کے بعد دیوبند سے جو اطلاعات ملی تھیں وہ صحیح تھیں اور اس کا افسوس اور دکھ ہوا کہ مفاد پرست حواریین کا آلہ کار بن کر مولانا محمد طیب صاحب نے عمر کی اس آخری منزل میں وہ

۱۴

کام کیا جو ہمارے نزدیک اُن کی فطرت اور اُن کے ساٹھ سالہ طرزِ عمل کے خلاف تھا اور اسکی توقع کسی ایسے شخص سے نہیں کی جاسکتی جس کو اخلاقی اور شرعی ذمہ داریوں کا کچھ بھی پاس و احساس ہو۔ اس کی بس یہی تاویل و توجیہ کی جاسکتی ہے کہ ان کی کبر سنی کی وجہ سے ایسا ممکن ہوا اور قضاء و قدر کا یہی فیصلہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم سب کا امتحان مقدر تھا۔

چند عبرت آموز قابل ذکر باتیں

مولانا محمد طیب صاحب کی بنائی ہوئی اس "ایڈہاک کمیٹی" اور اس کے ۲۲ اکتوبر والے جلسے اور اس کے فیصلوں کے بارے میں یہ چند دلچسپ لیکن عبرت آموز باتیں بھی قابل ذکر ہیں۔

(۱) ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء کے دہلی کے جس جلسہ میں "ایڈہاک کمیٹی" کی تجویز پاس ہوئی اور اس کی تشکیل کی گئی، اس میں خود مولانا محمد طیب صاحب اور دارالعلوم کے چند مدرسین و ملازمین کے سوا، دس آدمی بھی ایسے نہیں تھے جن کا دارالعلوم دیوبند سے کوئی خاص تعلق ہو، اس کے برعکس اس میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے متعلق معلوم ہے کہ ان کا مسلک دارالعلوم کے مسلک سے قطعاً مختلف ہے اور ایسے بھی تھے جن کا عملی زندگی میں دین سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔

(۲) مولانا محمد طیب صاحب نے مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے ۸ کو اس اجتماع میں شرکت کی یہ سمجھ کر دعوت دی تھی کہ وہ اُن کی ہم نوائی کریں گے، لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی اس اجتماع میں شرکت نہیں کی، حتیٰ کہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے دہلی میں رہتے ہوئے بھی شرکت نہیں فرمائی۔

(۳) اس اجتماع میں "ایڈہاک کمیٹی" کی تشکیل اس طرح ہوئی کہ مولانا محمد طیب صاحب کے علاوہ اس کے دس بنیادی ارکان نامزد یا منتخب کیے گئے، ان میں سات مجلس شوریٰ کے وہ ارکان تھے جن میں سے کوئی ایک بھی جلسہ میں شریک نہیں تھا۔ آٹھویں حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی تھے، وہ بھی شریک نہیں تھے۔ ان آٹھوں

۱۵

حضرات کا انتخاب یا نامزدگی ان کی عدم موجودگی میں ہوئی اور بعد میں معلوم ہوگیا کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی ایڈہاک کمیٹی کی رکنیت منظور نہیں کی اور کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ ان میں سے بعض اہم حضرات نے اخبارات میں اس کے خلاف واضح بیان دیا۔ ان میں جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں حضرات نے مولانا محمد طیب صاحب کو خطوط بھی لکھے اور اخبارات میں بیان بھی دیا کہ خدانخواستہ آپ کے اس اقدام سے بڑے فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ ایڈہاک کمیٹی کے نامزد ممبران میں سے صرف دو صاحبان ایسے تھے جو جلسہ میں شریک تھے اور انھوں نے ایڈہاک کمیٹی کی رکنیت بظاہر منظور کی۔ لیکن اس کے چند ہی روز بعد جب ۲۲ اکتوبر کو ایڈہاک کمیٹی کا پہلا جلسہ مولانا محمد طیب صاحب نے بلایا تو اس میں ان دونوں حضرات نے بھی شرکت نہیں کی، گویا بنیادی ارکان میں سے ایک بھی شریک نہیں ہوا اور سب ہی بے تعلق ہو گئے۔

(۴) ماہنامہ "دارالعلوم دیوبند" (جو مولانا محمد طیب صاحب کی نگرانی میں نکلتا تھا) اس کے نومبر کے شمارے میں دہلی کے اجتماع کی کارروائی شائع ہوئی تھی اس میں "ایڈہاک کمیٹی" کے مذکورہ بالا دس بنیادی ارکان کی نامزدگی کا ذکر کرنے کے بعد لکھا گیا ہے۔

"حضرت مہتمم صاحب (یعنی مولانا محمد طیب صاحب) کو اختیار دیا گیا کہ وہ اس کمیٹی میں پانچ اور ارکان کا بھی اضافہ کر سکتے ہیں۔" (ماہنامہ دارالعلوم بابت نومبر ۱۹۸۱ء ص ۲۵)

اس سے معلوم ہوا کہ دہلی کے اجتماع میں مولانا محمد طیب صاحب کو دس بنیادی ارکان کے علاوہ صرف پانچ ارکان کے اضافہ کا اختیار دیا گیا تھا۔ لیکن موصوف نے ۲۲ اکتوبر کو "ایڈہاک کمیٹی" کا جو جلسہ بلایا (جو ان کی صدارت میں ہوا) اس میں دس بنیادی ارکان میں سے تو ایک بھی شریک نہیں ہوا، مولانا محمد طیب صاحب کے اضافہ کیے ہوئے ارکان میں سے (ماشاء اللہ) چودہ شریک ہوئے جن کے نام "ایڈہاک کمیٹی" کے اس جلسہ کی اس

١٦

مطبوعہ رپورٹ میں درج ہیں جو خود مولانا محمد طیب صاحب کے دفتر کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔

شاید دنیا کی جماعتوں اور کمیٹیوں کی تاریخ میں اس کی مثال نہ مل سکے گی کہ ایک کمیٹی کے دس بنیادی ارکان منتخب کیے گئے، کمیٹی کے جلسہ میں ان میں سے کسی ایک نے بھی شرکت نہیں کی اور کمیٹی کے صدر یا کنوینر کو صرف پانچ ارکان کے اضافہ کا اختیار دیا گیا تھا لیکن اُس نے اپنے اختیار سے اس تعداد سے کئی گنے ارکان بنا لیے جن میں سے چودہ جلسے میں شریک ہوئے اور انھوں نے دارالعلوم کے دستور اساسی کی تنسیخ اور اس کی مجلس شوریٰ کو کالعدم قرار دینے کے جیسے محیر العقول انقلابی فیصلے کر ڈالے اور سادہ لوحی سے سمجھ لیا کہ ہمارے اس فیصلہ سے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کالعدم ہو گئی اور دستور اساسی منسوخ ہو گیا، کیا دنیا کی اجتماعیات کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال بتائی جا سکتی ہے۔ کیسے ظالم اور مجرم ہیں وہ لوگ جنھوں نے مولانا محمد طیب صاحب سے اس عمر میں ایسے غلط کام کرائے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ کارنامے اس سے بالاتر ہیں کہ اُن پر کوئی تبصرہ کیا جائے اُن سے بس عبرت ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

ایک انتہائی اشتعال انگیز ناعاقبت اندیشانہ اقدام اور اس کا انجام

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ رجب ١٤٠١ھ کے جلسۂ شوریٰ میں ساری تجاویز اتفاق آراء سے پاس ہوئی تھیں جن میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو "معاون مہتمم" اور مولانا محمد عثمان صاحب کو نائب مہتمم بنانے کی تجویز بھی تھی اور خود مولانا محمد طیب صاحب نے اس تجویز اور انتخاب پر اظہار مسرت فرمایا تھا اور ان دونوں صاحبوں نے پوری دلچسپی اور تندہی کے ساتھ دارالعلوم کی خدمت کے سلسلہ میں اپنے مفوضہ فرائض انجام دینے شروع کر دیئے تھے اور اس جلسۂ شوریٰ کے قریباً دو مہینے بعد شائع ہونے والے ماہنامہ "دارالعلوم" کے اگست کے شمارے میں اس پر پورا اداریہ لکھا گیا تھا اور اس میں خاص کر ان دونوں

۱۷

صاحبوں سے متعلق تجاویز کا بہت ہی پُرجوش اور پُرمسرت خیر مقدم کیا گیا تھا اور اس کو دارالعلوم کے حق میں بہت ہی مبارک قرار دیا گیا تھا اور ان کے کام اور کام کی لگن کو بہت ہی سراہا گیا تھا۔ لیکن ۲۲ اکتوبر کو مولانا محمد طیب صاحب کی دعوت پر اور ان ہی کی صدارت میں ہونے والے ایڈہاک کمیٹی کے اس عجیب و غریب اور عدیم المثال جلسہ میں رجب اور شوال کے شوریٰ کے جلسوں کی منظور شدہ تجاویز کو بھی منسوخ کیا گیا۔ اس بنیاد پر مولانا محمد طیب صاحب نے معاون مہتمم کے منصب سے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو اور نیابت اہتمام کے منصب سے مولانا محمد عثمان صاحب کو برطرف کیے جانے کا حکم صادر فرمایا اور ان دونوں کو تحریری حکم نامہ کے ذریعہ اطلاع دے دی کہ اب ان کا دارالعلوم سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا اب وہ دارالعلوم میں نہ آئیں۔

مولانا محمد عثمان صاحب حضرت شیخ الہندؒ کے نواسے اور دارالعلوم کے پرانے استاذ ہیں، اسی کے ساتھ وہ قصبہ دیوبند کی ہر دلعزیز اور با اثر شخصیت بھی ہیں (اسی لیے وہ مدتوں تک دیوبند میونسپل بورڈ کے چیرمین بھی منتخب ہوتے رہے ہیں) اور مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب چونکہ ایک عالم با عمل اور ایثار پیشہ بزرگ ہیں جن کی مثال تلاش کرنی مشکل ہے۔ دارالعلوم کی خدمت اہتمام کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ دارالعلوم کا سارا کام صرف للہ فی اللہ کرتے ہیں، اس لیے قدرتی طور پر دارالعلوم کے صلاح پسند طلبہ اور نیک طینت اساتذہ کے دلوں میں ان کی خاص قدر و منزلت ہے جس کے وہ واقعی مستحق ہیں۔

مولانا محمد طیب صاحب نے جب ان دونوں بزرگوں کی برطرفی کا حکم جاری کیا تو قصبۂ دیوبند کے عام مسلمانوں میں بھی سخت اشتعال پیدا ہوا اور دارالعلوم کے طلبہ بھی سخت برہم اور برافروختہ ہوئے۔

۳۰ اکتوبر کو مولانا محمد طیب صاحب کی طرف سے دارالعلوم کی مسجد میں طلبہ کے سامنے تقریر کا اعلان کیا گیا، مقررہ وقت پر انھوں نے طلبہ کے مجمع میں تقریر شروع کی معلوم

۱۸

ہوا ہے کہ اس تقریر میں انھوں نے مجلس شوریٰ اور اس کے ارکان اور بعض بڑے اساتذہ کے خلاف بھی کچھ فرمایا جس پر بعض طلبہ نے مخالفانہ نعرے لگائے اور ایک ہنگامے کی صورت پیدا ہو گئی (جس کے بارے میں بیانات بہت مختلف ہیں اور راقم سطور اس کی پوری تحقیق نہیں کر سکا اس لیے اس کے بارے میں یقین و وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا) اس ہنگامے میں چند طلبہ زخمی بھی ہوئے، ایک طالب علم کو گولی بھی لگی جو بہت دنوں تک علاج کے سلسلہ میں سہارنپور کے اسپتال میں رہا۔

پولیس کی مدد سے دارالعلوم بند

بہر حال اس ہنگامے کے بعد مولانا محمد طیب صاحب نے دارالعلوم بند کرنے اور طلبہ سے خالی کرانے کا فیصلہ اور اعلان کر دیا اور ضلع کے حکام سپرنٹنڈنٹ پولیس وغیرہ سے درخواست کی کہ وہ دارالعلوم کو طلبہ سے خالی کرا دیں۔ (حکام کی ذمہ داری ہے کہ جب کسی ادارے کے ذمہ دار عہدے دار کی طرف سے اس طرح کی اطلاع دی جائے اور درخواست کی جائے تو وہ اس کو مطلوبہ مدد دیں تاکہ باہمی تصادم سے نقض امن کا مسئلہ پیدا نہ ہو) چنانچہ بڑی تعداد میں پولیس آگئی، اساتذہ نے اور طلبہ کے دوسرے خیر خواہوں نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ کوئی مزاحمت نہ کریں' دارالعلوم کو خالی کر دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، لیکن اسی کے ساتھ قصبہ کے عوام نے اور ان چند اساتذہ نے جو مولانا محمد طیب صاحب کے ان اقدامات کے سخت خلاف تھے، طلبہ کے سامنے پیشکش کی کہ اگر وہ ٹھہرنا چاہیں تو ان کے لیے جیسا کچھ ہو سکے گا، انتظام کیا جائے گا اور ان کا تعلیمی سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ طلبہ کی بہت بڑی تعداد نے یہی فیصلہ کر لیا جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ ان کے قیام اور تعلیم کا انتظام دارالعلوم ہی کے ایک حصہ "جامعہ طبیہ" کی عمارتوں میں کیا گیا، اسی کے قریب میں کچھ خیمے بھی لگائے گئے اور بعض قریبی مساجد میں بھی قیام اور تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظام

۱۹

بالکل عارضی تھا، اسی لیے اس کا نام "کیمپ دارالعلوم" رکھا گیا تھا۔ امید تھی کہ یہ صورت حال بہت دنوں تک جاری نہیں رہے گی۔ مختلف مخلص افراد اور حلقوں کی طرف سے مصالحت کی کوششیں بھی ہوتی رہیں، لیکن مولانا محمد طیب صاحب پر اُن کے جو حواری حاوی ہو گئے تھے، انھوں نے کسی مصالحت کی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیا (چونکہ مصالحت کی ان کوششوں کا ذکر اخبارات میں بھی آتا رہا ہے اور خود یہ عاجز "الفرقان" کے مارچ کے شمارے میں ان کا اور ان کے انجام کا ذکر کر چکا ہے اس لیے یہاں ان کوششوں کی تفصیل غیر ضروری ہے) اس درمیان میں مجلس شوریٰ کے چند جلسے ہوئے اور مولانا محمد طیب صاحب کے غلط رویے اور غلط اقدامات کی بنا پر اُن کو معطل کیا گیا اور ان کی جگہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو عارضی مہتمم مقرر کیا گیا اس کے بعد بھی مجلس کی طرف سے مصالحت کی کوششوں کا خیر مقدم کیا جاتا رہا لیکن مولانا محمد طیب صاحب کو ان کو حوارییں نے مصالحت پر آمادہ نہیں ہونے دیا اور دارالعلوم بند رہا۔

دارالعلوم کھولنے کیلئے چند طلبہ کا جرأت مندانہ اقدام

مولانا محمد طیب صاحب نے ۳۱ اکتوبر کو دارالعلوم بند کیا تھا، طلبہ اور اساتذہ اس امید پر کیمپ دارالعلوم میں تعلیم کا سلسلہ جیسے تیسے جاری رکھے رہے کہ مخلصین کی کوششوں کے نتیجے میں مہتمم صاحب اور مجلس شوریٰ کے درمیان مصالحت ہو جائے گی اور دارالعلوم کھل جائے گا۔ اس حالت میں قریباً پانچ مہینے گزر گئے، جن میں تین مہینے دسمبر، جنوری، فروری انتہائی سردی کے مہینے تھے، خاص کر ان مہینوں میں طلبہ نے جو خیموں میں ہی مقیم تھے سردی کی سخت تکلیفیں اٹھائیں، اس طویل مدت میں مصالحت کی متعدد کوششوں کی ناکامی کے نتیجہ میں یہ بات سب کے سامنے آگئی کہ مولانا محمد طیب صاحب کے مفاد پرست حوارییں جو ان پر حاوی ہیں ان کو مصالحت

پر اور دارالعلوم کھولنے پر آمادہ نہ ہونے دیں گے۔ تو جیسا کہ معلوم ہوا ہے کہ چند ہمت طلبہ نے خود دارالعلوم کھول لینے کا پروگرام بنایا اور مارچ کے آخری ہفتہ کی ایک رات میں کسی طرح دارالعلوم میں داخل ہو گئے اور پھر تمام طلبہ کو اندر لے لیا اور قریباً پانچ مہینے کے بعد اس دن دارالعلوم کی مسجد میں فجر کی جماعت اُس طرح ہوئی جس طرح ہمیشہ ہوتی تھی، ورنہ ان پانچ مہینوں میں مسجد سنسان ہی رہی تھی۔

یہ سب اس عاجز کے سماعی معلومات ہیں، البتہ اس سلسلہ میں یہ بات مجھے تحقیق سے معلوم ہو چکی ہے کہ ان طلبہ نے یہ کارروائی اس طرح کی کہ تمام ذمہ دار حضرات بے خبر رہے، یہاں تک کہ صدر المدرسین مولانا معراج الحق صاحب نائب مہتممین مولانا محمد عثمان صاحب و مولانا نصیر احمد خاں صاحب جیسے حضرات کو بھی اس وقت علم ہوا جب سب کچھ ہو چکا تھا۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اپنے وطن بجنور میں تھے، معلوم ہوا ہے کہ ان کو فوراً وہاں سے بلوانے کا انتظام کیا گیا۔ وہ اگلے دن تشریف لائے اور انھوں نے اور نائب مہتمم صاحبان نے سارا انتظام واہتمام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس دن سے دارالعلوم باقاعدہ کھل گیا، اس کے بعد بہت سے وہ طلبہ بھی آ گئے جو اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔

رمضان مبارک میں بھی تعلیم جاری رہنے کا فیصلہ

اس کے بعد ۱۶-۱۷ اپریل کو دارالعلوم ہی میں مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جو دو دن جاری رہا۔ راقم سطور بھی اس میں شریک ہوا تھا۔ اس اجلاس میں ایک فیصلہ یہ بھی کیا گیا کہ چونکہ ہنگامی صورتحال کی وجہ سے اس سال تعلیم میں بہت کمی رہی ہے خاص کر اوپر کے درجات کی کتابوں کی مقدار بہت کم ہو سکی ہے اس لیے اس کے تدارک کے لیے تعلیم کا سلسلہ رمضان میں بھی جاری رہے اور سالانہ امتحان بجائے شعبان کے شوال میں ہو، اسی پر عمل ہوا۔ درجات عالیہ کے ایک ہزار سے کچھ اوپر طلبہ رمضان میں دارالعلوم ہی میں رہے اور تعلیم کا سلسلہ سرگرمی سے جاری رہا۔

رمضان مبارک میں تعلیم کا نظام

معلوم ہوا ہے کہ صبح ۹ بجے سے ظہر کی اذان تک اسباق ہوتے تھے اور بخاری شریف کا سبق رات کو تراویح کے بعد بھی ہوتا تھا۔ ہمارے محترم مولانا نسیم احمد فریدی جو ہماری جماعت کے علمائے ربانیین میں سے ہیں انھوں نے رمضان مبارک کے عشرۂ اخیرہ میں نظام الدین دہلی، سہارنپور اور دیوبند کا سفر کیا تھا، انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں اس عاجز کو تحریر فرمایا ہے کہ دارالعلوم میں بخاری شریف ۲۷ویں کی رات میں ختم ہوئی، ۳ بجے کے قریب دعا ہوئی۔ تحریر فرمایا ہے کہ میں بھی بخاری شریف کے ایک سبق میں شریک ہوا۔ ایک نہایت خوشی کی بات مولانا موصوف کے اس مکتوب سے اور بعض دوسرے حضرات کے خطوط سے بھی یہ معلوم ہوئی کہ چونکہ طلبہ کی اس بڑی تعداد میں قرآن پاک کے حفاظ بھی تھے اور ان کو قرآن مجید تراویح میں سنانا تھا اس لیے دارالعلوم کی مسجد کے علاوہ بھی دارالعلوم ہی کے حدود میں مختلف مقامات پر تقریباً ۳۰ جگہ تراویح کی جماعت ہوتی تھی جن میں یہ طلبہ قرآن پاک سناتے تھے اس کی وجہ سے اس سال دارالعلوم میں وہ فضا رہی جو غالباً کبھی نہ رہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دارالعلوم میں اخلاص و تقوے کی وہ روح پیدا فرمائے جو اس کی اور اس کے اکابر کی اصل دولت تھی اور نفس و شیطان کے شر سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

مصالحت کی ایک آخری کوشش اور اس کا المناک انجام

مصالحت کی ایک آخری کوشش جس کا ذکر "الفرقان" میں بھی نہیں کیا جاسکا ہے خاص طور سے قابل ذکر ہے، گذشتہ مئی کی غالباً ۲ تاریخ کو پاکستان سے ہماری جماعت کے دو محترم بزرگ ایک جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث مولانا محمد مالک صاحب دوسرے شاہی جامع مسجد لاہور کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد صاحب دارالعلوم کے اس قضیہ میں مصالحت کرانے ہی کے لیے اچانک دیوبند تشریف لائے اور بتلایا کہ ہمارے

۲۲

ساتھ ایک بڑا وفد آنے والا تھا لیکن قانونی رکاوٹوں اور مشکلات کی وجہ سے اس وقت ہم دو ہی آسکے ہیں اور فلاں فلاں اداروں اور جماعتوں کے نمائندے کی حیثیت سے آئے ہیں اور صرف اس لیے آئے ہیں کہ دارالعلوم کے اس اختلاف کو ختم کرانے کی کوشش کریں جس کی وجہ سے ساری جماعت دیوبند رسوا ہو رہی ہے اور ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے ہیں۔

ان دنوں میں مولانا محمد طیب صاحب مدراس گئے ہوئے تھے، ان دونوں حضرات نے دارالعلوم کے موجودہ ارباب اہتمام و انتظام مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب و مولانا محمد عثمان صاحب وغیرہ سے دارالعلوم آکر ملاقات کی، انہیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ دارالعلوم میں تعلیمی نظام امن و سکون اور سرگرمی کے ساتھ جاری ہے اور تمام شعبے و دفاتر کھلے ہوئے ہیں اور سب کام معمول کے مطابق ہو رہے ہیں، ڈیڑھ ہزار کے قریب طلبہ ہیں جن میں قریباً ۱۲ سو دارالعلوم کے مطبخ سے کھانا کھاتے ہیں۔ پاکستان کے بعض اخبارات کے ذریعہ مہینوں سے یہ پروپیگنڈہ ہو رہا تھا کہ ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی اور ان کی حکومت نے مولانا اسعد میاں مدنی کے ذریعہ دارالعلوم پر قبضہ کر لیا ہے، اس کی حقیقت ان دونوں بزرگوں کو دارالعلوم کا حال بچشم خود دیکھ کر معلوم ہو گئی۔ ان حضرات کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حال ہی میں مولانا محمد طیب صاحب اور ان کے حوارئین نے دیوبند کی جامع مسجد میں ایک مدرسہ "دارالعلوم" ہی کے نام سے کھول لیا ہے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور مولانا محمد عثمان صاحب و مولانا معراج الحق صاحب وغیرہ نے ان حضرات کو دارالعلوم کے اس اختلاف کی پوری روداد سنائی اور بتلایا کہ اب تک مصالحت کی کیا کیا کوششیں کن کن حضرات اور حلقوں کی طرف سے ہوئیں اور مولانا محمد طیب صاحب اور ان کے رفقائے کار کا رویہ منفی ہی رہا۔ ان کو یہ بھی بتلایا کہ ان پر ایسے لوگ حاوی ہو گئے ہیں، جو ان کو مصالحت پر آمادہ نہیں ہونے

دیتے، اور اگر آپ حضرات ان کو آمادہ کر سکیں تو مصالحت اب بھی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں مصالحت کے ایک فارمولے پر بھی گفتگو ہوئی اور مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب و مولانا محمد عثمان صاحب نے کہا کہ اگر آپ مولانا محمد طیب صاحب کو اس پر آمادہ کر لیں تو ہم بھی تیار ہیں اور ہمیں امید ہے کہ مجلس شوریٰ بھی منظور کر لے گی۔ پاکستان کے ان دونوں بزرگوں نے مولانا محمد طیب صاحب کے حلقہ کے خاص لوگوں سے بھی گفتگو کی اور مصالحت کے لیے اُن پر بھی زور ڈالا اور مولانا محمد طیب صاحب کو مدراس ٹیلیفون کرایا کہ وہ فوراً تشریف لائیں۔ موصوف ہوائی جہاز سے تشریف لے آئے۔ مولانا محمد مالک صاحب اور مولانا عبدالقادر آزاد صاحب ان کو آمادہ کر لینے میں کامیاب ہو گئے اور انھوں نے اس فارمولے پر جو تحریری شکل میں ان کے سامنے تھا اور ان کو حرفاً حرفاً سنا بھی دیا گیا تھا، اِن الفاظ میں منظوری تحریر فرمادی کہ:۔ "میں اس کو بصدق دل قبول کرتا ہوں"۔ اور دستخط ثبت فرمادیے، اس کے بعد دوسرے فریق کے حضرات کے بھی اس پر دستخط کرالیے اور بظاہر مصالحت کی کارروائی مکمل ہو گئی۔

مولانا محمد طیب صاحب نے اظہار مسرت کے طور پر دونوں پاکستانی بزرگوں کی خدمت میں دس روپے بھی مٹھائی کے عنوان سے پیش فرمائے، معلوم ہوا ہے کہ غلبۂ مسرت سے اور اللہ تعالیٰ کے کرم و احسان کے احساس سے اسی مجلس میں مولانا محمد مالک صاحب پر گریہ طاری ہو گیا۔

اس عاجز راقم سطور کو اُسی دن ٹیلیفون سے اس کی اطلاع ملی، قدرتی طور پر ایسی خوشی ہوئی کہ زندگی میں ایسی خوشی کم نصیب ہوئی ہو گی۔ اس کے دوسرے یا تیسرے ہی دن اس دستاویز مصالحت کی فوٹو کاپی دیوبند سے ایک صاحب میرے پاس لے آئے اس کو بچشم خود دیکھ کر مسرت میں اور اضافہ ہوا اور حسب توفیق اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اخبارات میں بھی اس مصالحت کی خبر شائع ہو گئی اور اللہ ہی جانتا

۲۴

ہے کہ کتنے بندوں نے شکرانے کی نمازیں پڑھیں۔

مولانا محمد مالک صاحب اور مولانا عبدالقادر آزاد صاحب اتنا کام کرکے اور مطمئن ہو کے شاداں و فرحاں اُسی دن ہوائی جہاز سے لاہور روانہ ہو گئے اور وہاں جاکر پریس کانفرنس کی جس میں اس مصالحت کی خوشخبری سنائی گئی جو وہاں کے اخبارات میں شائع ہو گئی اور جماعت دیوبند سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

نقضِ عہد اور مصالحت کا حسرتناک انجام

مصالحت کے اس معاہدہ کی تکمیل اور دستاویزِ معاہدہ پر فریقین کے دستخط ہونے کے تین، چار ہی دن بعد مولانا محمد طیب صاحب کے خاص معتمد اور گویا دستِ راست مولانا انظر شاہ صاحب کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس کے ذریعہ اس مصالحت کو گویا کالعدم قرار دے دیا گیا، پھر معلوم ہوا کہ انہی دنوں میں (۲۰ مئی کو) خود مولانا محمد طیب صاحب کی طرف سے ایک نیا دعویٰ سول جج سہارنپور کی عدالت میں ۲۲ افراد کے خلاف دائر کیا گیا ہے، جن میں گیارہ مجلس شوریٰ کے ارکان بھی ہیں۔ اُن میں یہ عاجز راقم سطور بھی ہے، نیز محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی اور جناب مولانا سعید احمد اکبرآبادی (سابق صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی (سابق ناظم دینیات جامعہ ملیہ دہلی) عالی جناب الحاج نواب عبیدالرحمٰن خاں شروانی (جو ایک وقت مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر بھی رہے ہیں) اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوری (خلیفہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ) اور جناب علاؤالدین صاحب تاجر بمبئی بھی ہیں۔ مولانا محمد سعید سملکی مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور مولانا عبداللہ صاحب مالیگانوی بھی ہیں، مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، مولانا محمد عثمان صاحب

۲۵

مولانا معراج الحق صاحب بھی ہیں (یہ سب دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے محترم ارکان ہیں)۔ مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ جن حضرات کے خلاف یہ دعویٰ دائر کیا گیا ہے ان میں مولانا اسعد میاں مدنی اور ان کے دونوں بھائی مولانا ارشد مدنی اور مولانا اسجد مدنی بھی ہیں۔

معلوم ہوا ہے کہ دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے دارالعلوم پر جس کا میں متولی ہوں ناجائز قبضہ کر لیا ہے اور اس کے فلاں فلاں دفاتر میں اتنی اتنی رقمیں تھیں، وہ سب لوٹ لی ہیں، ان لوگوں سے وہ رقمیں مجھ کو دلوائی جائیں اور ان کو دارالعلوم سے بے دخل کر کے مجھ کو قبضہ دلایا جائے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، ہم لوگوں کے خلاف یہ "شریفانہ دعویٰ" سول جج سہارنپور کی عدالت میں (مذکورہ بالا مصالحت کی کارروائی کی تکمیل اور تحریری معاہدہ کے چار پانچ ہی دن بعد ۳۰ مئی کو) مولانا محمد طیب صاحب کی طرف سے دائر ہوا ہے۔

بس اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اب وہ کس حال میں ہیں اور کیسے ناخدا ترس اور کتنی ذلیل ذہنیت کے لوگوں کے حوالہ انھوں نے اپنے کو کر دیا ہے جو ان سے ہر ناکردنی کرا سکتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عدالت میں جو عرضی دعویٰ پیش کیا گیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ وہ انگریزی زبان میں ہے اس کا بھی کافی امکان ہے کہ مولانا محمد طیب صاحب سے بحیثیت مدعی و مستغیث اس پر ان لوگوں نے دستخط کرا لئے ہوں اور ان کو معلوم نہ ہو کہ اس میں کیا کیا لکھا گیا ہے اور کس کس کے خلاف دعویٰ دائر کیا گیا ہے۔

اس سے چند مہینے پہلے بھی مولانا محمد طیب صاحب ہی کی طرف سے ایک دعویٰ سہارنپور کی غالباً اسی عدالت میں دائر ہوا تھا جس میں دارالعلوم کے عہدۂ اہتمام کے وراثتی ہونے کا اور اس وراثت کی بنیاد پر اپنے مہتمم ہونے کا دعویٰ کیا گیا تھا، وہ عرضی دعویٰ

۲۶

بھی انگریزی زبان میں تھا، راقم سطور نے اس کی نقل منگواکر اس کا ترجمہ کرایا
تھا، اس میں صراحت کے ساتھ وراثت والی بات لکھی گئی ہے۔ لیکن مولانا محمد طیب
صاحب نے اپنے بعض خطوط اور مراسلات میں اس سے انکار کیا ہے اس کی یہی توجیہ
کی جاسکتی ہے کہ انگریزی زبان میں ٹائپ شدہ عرضی دعوے پر ان سے دستخط
کرالیے گئے اور انھوں نے کردیئے اور وہ اس سے بے خبر رہے کہ اس میں کیا لکھا گیا
ہے اور کیا دعوےٰ کیا گیا ہے۔ جو لوگ مولانا محمد طیب صاحب کو اور ان کی موجودہ
حالت و کیفیت کو جانتے ہیں، ان کے نزدیک یہ کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

٢٧

دارالعلوم دیوبند اور اکابر جماعت دیوبند سے
تعلق و محبت رکھنے والے ہر مخلص مسلمان کی خدمت میں

کُونُوا قَوَّامِینَ لِلّٰہِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ

(قرآن کریم، المائدہ آیت ۸)

"کھڑے ہو جاؤ اللہ کے واسطے حق و انصاف کے گواہ اور علمبردار بن کر۔"

دارالعلوم کے اس قضیہ میں مولانا محمد طیب صاحب کی طرف سے خلافِ آئین اور خلافِ اصول و اخلاق جو باتیں ظہور میں آئیں، جن سے خود ان کی شان اور ان کا وقار بھی مجروح ہوا ـــ مثلاً:

① سنہ ۱۴۰۱ھ کے شروع میں دستور کے تقاضے کے مطابق غلط مقصد سے مجلس شوریٰ کا اجلاس نہ بلانا اور اپنے حدود و اختیارات سے تجاوز کر کے خود ہی وہ فیصلے اور اقدامات کرنا جن کا ان کو کوئی اختیار نہیں تھا۔ (جن کا ذکر کیا جا چکا ہے)

② ۴ر اکتوبر کو دہلی میں اپنے لوگوں کا اجتماع بلا کر مجلس شوریٰ اور دارالعلوم کے مسلّمہ دستور و آئین کے خلاف محاذ آرائی اور اس کے لیے "ایڈہاک کمیٹی" کی تشکیل، جس سے یہ سارا اختلاف اور بحران پیدا ہوا، اور دارالعلوم اور جماعتِ دارالعلوم کو وہ نقصان پہنچا جو اس کا کوئی دشمن بھی نہیں پہنچا سکتا تھا۔

③ پھر ۲۲ر اکتوبر کو ایڈہاک کمیٹی کا جلسہ بلا کر (جس کا حال تفصیل سے لکھا جا چکا

۲۸

ہے) دارالعلوم کے دستور و آئین کو منسوخ اور مجلس شوریٰ کو کالعدم قرار دینے کا مضحکہ خیز فیصلہ کرنا اور اس کی مطبوعہ کارروائی اپنے نجی دستخطی خطوط کے ساتھ لوگوں کو بھیجنا (اس سلسلہ کا ایک خط جو مولانا محمد طیب صاحب نے ایک صاحب کو بھیجا تھا، اس عاجز نے بھی دیکھا ہے اور وہ محفوظ ہے)

(۴) مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور مولانا محمد عثمان صاحب جن کو رجب کے جلسۂ شوریٰ میں دارالعلوم کے نظام کے لیے ضروری سمجھ کر متفقہ طور پر معاون مہتمم اور نائب مہتمم مقرر کیا گیا تھا ان کی برطرفی کا اور دارالعلوم میں نہ آنے کا اشتعال انگیز حکم جاری کرنا جس کا ان کو کوئی اختیار نہیں تھا۔

(۵) پھر آخر اکتوبر میں دارالعلوم بند کر دینے کا فیصلہ اور مجلس شوریٰ کی کسی تجویز یا اجازت کے بغیر ۵ مہینے تک اس کو بند رکھنا اور طلبہ کے تعلیمی سلسلہ کو سخت نقصان پہنچانا۔

(۶) عدالت میں وہ افسوسناک دعوے دائر کرنا جن کا ذکر کیا جا چکا ہے (واضح رہے کہ جن ۲ دو دعووں کا ذکر کیا جا چکا ہے وہ سہارنپور کی عدالت میں خود مولانا محمد طیب صاحب کی طرف سے دائر ہوئے ہیں، ان کے علاوہ انھوں نے اسے کئی مہینے پہلے اپنے لوگوں کے ذریعہ دو دعوے اور بھی دائر کرائے ہیں، ایک دہلی ہائی کورٹ میں اور دوسرا الٰہ آباد ہائی کورٹ میں — خدا ہی جانتا ہے کہ ان مقدمات میں وکیلوں کی فیسوں وغیرہ پر کتنا روپیہ انھوں نے دارالعلوم کا صرف کیا ہے۔

(۷) پاکستان سے تشریف لانے والے جناب مولانا محمد مالک صاحب و مولانا عبدالقادر آزاد صاحب کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجے میں جو مصالحت ہوئی تھی اور مصالحت کے فارمولے پر (جس کی حیثیت معاہدہ کی دستاویز

۲۹

کی تھی اور جس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ عدالتی مقدمات ختم کر دیئے جائیں گے اور واپس لے لیے جائیں گے) مولانا محمد طیب صاحب نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا کہ "میں بصدق دل اس کو قبول کرتا ہوں"۔ حیرت انگیز طور پر اس سے انحراف اور نقض عہد کرنا اور اس کے بعد سہارنپور کی عدالت سول جج میں وہ نیا دعویٰ مجلس شوریٰ کے ارکان کے خلاف دائر کرنا جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۸) دیوبند کی جامع مسجد میں "دارالعلوم" ہی کے نام سے ایک نیا مدرسہ کھولنا اور ملک کے طول و عرض میں سفرا بھیج کر اس کے لیے "دارالعلوم دیوبند" ہی کے نام سے چندہ فراہم کرنا۔

(۹) دارالعلوم کے بارے میں یہ انتہائی شرارت آمیز پروپیگنڈہ کرانا کہ اس پر مسز اندرا گاندھی کی حکومت نے اور کمیونسٹوں نے قبضہ کر لیا ہے۔

اس سب کے علاوہ

(۱۰) مولانا محمد طیب صاحب نے گزشتہ دو سالوں میں دارالعلوم کا لاکھوں (فی الحقیقت لاکھوں) روپیہ مختلف عنوانات سے مختلف مدوں میں مجلس شوریٰ کی تجویز و اجازت کے بغیر غلط طور پر صرف کیا ہے جس کا از روئے دستور و آئین ان کو قطعاً اختیار نہیں تھا (اور خاص طور سے مجلس شوریٰ اور دستور کے خلاف اپنی تخریبی جدوجہد میں صرف کیا ہے) یا اُن کے حواریین نے ان کی کبرسنی کی کیفیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان سے صرف کرایا ہے، جس کے وہ دنیا میں اور آخرت میں ذمہ دار ہیں۔

۲۰

خدارا آپ فیصلہ کریں!

مولانا محمد طیب صاحب کی ان کارروائیوں اور ان اقدامات کے بارے میں دو ہی باتیں سوچی اور کہی جاسکتی ہیں — ایک یہ کہ یہ سب ناشدنی باتیں اس لیے ہوئیں کہ کبرسنی اور پیرانہ سالی کے اثر سے ان کی فہم وفکر اور شعور کی صلاحیت اس قدر متاثر ہوگئی ہے کہ مفاد پرست اور فتنہ پرداز لوگ ان سے ایسے ناکردنی کام کرالیتے ہیں — اور دوسرے یہ کہ یہ ساری کارروائیاں اور سارے اقدامات ان کی ذاتی فکر کا نتیجہ ہیں اور انھوں نے یہ سارے اقدامات پورے شعور کے ساتھ کیے ہیں (خدا نہ کرے کہ ایسا ہو)

بہرحال جو بھی سمجھا جائے

ہر مخلص اور باشعور مسلمان خاص کر دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم سے تعلق ومحبت رکھنے والے مخلصین سے گذارش ہے کہ وہ کسی کی رُو رعایت کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت کے محاسبہ کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ فرمائیں کہ کیا مولانا محمد طیب صاحب ان دونوں صورتوں میں اب اس کے اہل ہیں کہ وہ دارالعلوم جیسے عظیم ووسیع ادارہ کے حسب سابق مہتمم رہیں؟ اور کیا مجلس شوریٰ کے لیے اس طرح کے کسی فیصلہ کا جواز ہے؟

ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال اور فیصلوں کی جوابدہی کرنی ہے۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

لکھنؤ: ۸؍ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ (۲۰؍ ۶؍ ۸۲ء)

۳۱

مجلس شوریٰ کے جلسہ میں
دارالعلوم کے اہتمام سے
قاری محمد طیب صاحب کا استعفا
اور اس کے بعد

پچھلے صفحات میں ناظرین نے جو کچھ پڑھا وہ گزشتہ شوال ۱۴۰۲ھ
کے پہلے ہفتہ میں لکھا گیا تھا اور جب ہی طبع ہوکر شائع
ہوگیا تھا۔ اسی شوال کے آخری ہفتہ میں مجلس شوریٰ
کا اجلاس ہونے والا تھا جس میں قاری صاحب کے
بارے میں شوریٰ کو قطعی اور آخری فیصلہ
کرنا تھا۔ پروگرام کے مطابق وہ جلسہ ہوا
اس میں اس سلسلہ میں جو کچھ ہوا اور
اس کے بعد جو ہوتا رہا ہے ناظرین
کرام وہ آئندہ صفحات میں
ملاحظہ فرمائیں۔

۳۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس شوریٰ کا اجلاس ۲۴، ۲۵، ۲۶ شوال ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۵، ۱۶، ۱۷؍ اگست ۱۹۸۲ء کو بلایا گیا تھا، اس کے ایجنڈے میں سب سے اہم مسئلہ مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے بارہ میں فیصلہ کا تھا۔ شوریٰ نے اس سے پہلے اپنے جنوری کے اجلاس میں ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی تھی اور اس پر یہ ذمہ داری عاید کی تھی کہ قاری صاحب پر دارالعلوم کے معاملات میں جو سنگین الزامات ہیں وہ ان کی تحقیق کرے، ان سے جواب طلب کرے اور اپنی رپورٹ اور سفارش مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کرے۔ اس تحقیقاتی کمیٹی نے اپنا کام پورا کر کے رپورٹ اور سفارش مجلس شوریٰ کو بھیج دی تھی۔ اس کی رپورٹ کا حاصل یہ تھا کہ الزامات صحیح اور ثابت ہیں اور اس بنا پر اُن کا مہتمم رہنا دارالعلوم کے مفاد میں نہیں ہے۔ اب وہ اس عظیم منصب کے اہل نہیں رہے۔

مجلس شوریٰ کا فرض تھا کہ وہ دارالعلوم کے مفاد کو ہر دوسری چیز پر مقدم رکھے اس لیے اس کے ارکان مجبور تھے کہ وہ دارالعلوم سے اُن کی بے تعلقی اور برطرفی کا فیصلہ کریں اگرچہ وہ ان سب کے لیے انتہائی ناخوشگوار اور تکلیف دہ تھا۔ ٹھیک اس وقت جب مجلس شوریٰ میں اس مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی، بمبئی کے دو معزز حضرات جو مولانا قاری محمد طیب صاحب کے خاص اہل تعلق میں سے ہیں (جناب عزیز الحق صاحب چودھری اور جناب صوفی عبدالرحمٰن صاحب) تشریف لائے اور انھوں نے مولانا قاری محمد طیب صاحب کا خود اپنے قلم کا لکھا ہوا استعفا نامہ پیش فرمایا، جو لفظ بہ لفظ درج ذیل ہے۔

۳۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بگرامی خدمت فیض درجت حضرات اراکین شوریٰ دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم۔

سلام مسنون۔ نیاز مقرون۔ آج سے اٹھاون سال قبل حضرات اکابر رحمہم اللہ کے حسب الحکم احقر نے اپنی طالب علمانہ افتاد طبع کے برخلاف محض تعمیلاً للامر کار اہتمام دارالعلوم سنبھالا تھا۔ آپ حضرات میں چند بزرگ ابھی وہ بھی بحمد للہ موجود ہیں جو اس دور کے اکابر رحمہم اللہ کے طور تربیت و شفقت اپنے خوردوں کے ساتھ اور اصاغر کا مطیعانہ طرزِ عمل اپنے بڑوں کے ساتھ دیکھنے والوں میں سے ہیں۔ اُن کو شاہد بنا کر یہ کہنے میں احقر اپنے آپ کو حق بجانب جانتا ہے کہ دارالعلوم کے اس تعلق کے بارے میں از اول تا آخر یہی اعتقاد و یقین قلب میں راسخ رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دنیا نہیں ہے۔ اس اعتقاد و یقین پر یہ اٹھاون سال کا زمانہ گزرا۔

لیکن اجلاس صد سالہ کے بعد ایسے امور پیش آئے کہ جن کا کبھی تصور و خیال بھی خدام و وابستگان دارالعلوم کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا تھا فتنوں کا عظیم سیلاب اٹھا جس میں بہت سی چیزیں احقر کے ذوق اور حضرات اراکین شوریٰ کے ساتھ احقر کے با احترام قدیم تعامل کے بھی خلاف پیش آئیں۔ احقر کا دارالعلوم کے ساتھ جو روحانی اور خادمانہ تعلق و رابطہ ہے جو زندگی کے آخری سانس تک باقی رہے گا۔ اس کے تحت کسی بھی ممکن خدمت سے کبھی دریغ نہ ہوگا۔ لیکن بحالاتِ موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفا پیش کرتا ہے۔ فتنہ کے دوران جو غلطیاں ہوئیں اور ایسے حالات میں فریقین سے ہوتی ہیں میں ان سے معذرت کرتا ہوں۔ زیادہ احترامات

محمد طیب غفرلہٗ از دیوبند
۹ اگست ۱۹۸۲ء

۳۴

مجلس شوریٰ کے قریبًا تمام ہی ارکان قاری صاحب کی تحریر پہچانتے ہیں اس لیے ان میں سے کسی کو بھی اس میں شبہ نہیں تھا کہ یہ قاری صاحب ہی کے قلم کی لکھی ہوئی تحریر ہے اور انہی کے دستخط ہیں۔ استعفا پیش کرنے والے عزیز الحق صاحب نے شہادت بھی دی کہ یہ استعفا نامہ قاری صاحب نے میرے سامنے لکھا اور میرے سپرد کیا تھا تاکہ میں اس کو مجلس شوریٰ کے اس جلسہ میں پیش کر دوں۔ انکی یہ شہادت بھی استعفا نامہ ہی پر ان کے دستخط کے ساتھ قلم بند کر لی گئی[لہ] — مجلس شوریٰ کے ارکان نے اس خیال سے کہ قاری صاحب کچھ فتنہ پردازوں اور فریب کاروں کے نرغہ میں ہیں، استعفے کے ایک ایک لفظ پر پوری طرح غور کیا اور احتیاطًا بعض ماہرین قانون کو بھی دکھلایا کہ استعفے کی اس تحریر میں کوئی فریب اور داؤ پیچ تو نہیں ہے؟ جب اطمینان ہو گیا کہ یہ بلا شبہ دار العلوم کے اہتمام سے صاف

لہ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ چودھری عزیز الحق صاحب نے مجلس شوریٰ کو بتلایا تھا کہ ۹ اگست کو جب دیوبند میں قاری محمد طیب صاحب نے یہ استعفا نامہ ان کے سامنے لکھا تو اس وقت صوفی عبد الرحمٰن صاحب ان کے ساتھ نہیں تھے، وہ دیوبند سے یہ استعفا نامہ لے کر بمبئی گئے تھے اور صوفی صاحب کو وہاں سے اپنے ساتھ لے کر آئے ہیں۔ اس لیے استعفا نامہ کے بارہ میں مجلس شوریٰ کے سامنے یہ شہادت کہ وہ قاری صاحب نے میرے سامنے لکھا، صرف عزیز الحق صاحب نے دی تھی اور صرف انھوں نے ہی اس پر دستخط کیے تھے۔ بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ یہ شہادت ان دونوں حضرات نے دی تھی اور دونوں نے ہی دستخط کیے تھے۔ اسی غلط فہمی کی بنیاد پر خود راقم سطور کی لکھی ہوئی اس سلسلہ کی ایک تحریر پر اس کو طبع کرانے والے صاحب نے عزیز الحق صاحب کے دستخط کے ساتھ صوفی عبد الرحمٰن صاحب کے دستخط کا اپنی طرف سے اضافہ فرما دیا — محمد منظور نعمانی

۳۵

استعفا ہے۔ تو مجلس شوریٰ نے ایک مفصل تجویز کے ذریعہ اس کو منظور کرلیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا کہ اس نے مولانا محمد طیب صاحب کو استعفے کی توفیق دے کر ارکان مجلس کو ایسے فیصلے سے بچالیا جو خود اُن کے لیے انتہائی ناخوش گوار تھا۔[1]

اگلے ہی دن اخبارات میں استعفے کی اور مجلس شوریٰ کی طرف سے اس کی منظوری کی خبر شائع ہوگئی، لیکن اس کے چار پانچ دن کے بعد اخبارات میں مولانا محمد طیب صاحب کا بیان شائع ہوا کہ میرے استعفے کی خبر غلط ہے۔ میں بدستور دارالعلوم کا مہتمم ہوں اور رہوں گا۔ اخبار میں یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کیونکہ استعفا خود قاری صاحب کے قلم کا لکھا ہوا تھا اور اس کے لانے والے بھی معتبر تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ قاری صاحب نے اس سلسلہ میں پورے چھ صفحے کا طول طویل خط موجودہ مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو رجسٹرڈ بھیجا ہے۔ اس میں اس کا تو اقرار کیا ہے کہ عزیز الحق صاحب اور صوفی عبدالرحمٰن صاحب نے اُن کا جو استعفانامہ مجلس شوریٰ کو پہنچایا وہ انہی کا لکھا ہوا ہے لیکن پورے خط میں اس کی یہ عجیب و غریب تاویل فرمائی گئی ہے کہ وہ دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں ہے بلکہ کسی سوسائٹی سے استعفا ہے اور اس کے شروع میں جو عبارت ہے۔

"بگرامی خدمت فیضدرجت حضرات اراکین شوریٰ دامت برکاتہم"۔

اس میں شوریٰ کے لفظ سے ان کا مطلب وہی سوسائٹی ہے۔

استعفے کا پورا متن اوپر لفظ بہ لفظ نقل ہوچکا ہے۔ ناظرین خدارا غور فرمائیں کیا

---

[1] قاری صاحب کے استعفے کی اصل تحریر کا فوٹو اور اس کے ساتھ مجلس شوریٰ کی مفصل تجویز کا متن دارالعلوم کی طرف سے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کردیئے گئے ہیں، اس کو دارالعلوم سے طلب کیا جاسکتا ہے۔

۳۶

اس میں کسی سوسائٹی کا کوئی ذکر یا اس کی طرف کوئی اشارہ بھی ہے اور کیا کسی طرح بھی اس استعفے کی عبارت میں یہ مطلب ٹھونسا جا سکتا ہے؟

استعفے والے اس خط کے متن کو ناظرین کرام ایک دفعہ پھر غور سے پڑھ لیں اس میں صرف چار باتیں کہی گئی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اب سے اٹھاون سال پہلے اپنی افتادِ طبع کے خلاف اکابر کے حکم کی تعمیل میں احقر نے دارالعلوم کا کارِ اہتمام سنبھالا تھا۔

۲۔ دوسری بات مجلس شوریٰ کے قدیمی ارکان کو شاہد بنا کر یہ کہی گئی ہے، کہ دارالعلوم کے اس تعلق (یعنی اہتمام) کے بارے میں اعتقاد یہ رہا کہ یہ اپنی آخرت ہے دنیا نہیں ہے۔

۳۔ تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد ایسے امور پیش آئے جن کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا، فتنوں کے اس سیلاب میں بہت سی چیزیں ایسی بھی وقوع میں آئیں جو احقر کے ذوق اور ارکانِ شوریٰ کے ساتھ میرے باحترام قدیم تعامل (یعنی ہمیشہ کے طرزِ عمل) کے خلاف تھیں۔

۴۔ آخر میں چوتھی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دارالعلوم کے ساتھ میرا جو روحانی اور خادمانہ تعلق ہے وہ تو زندگی کے آخری سانس تک رہے گا، لیکن بحالاتِ موجودہ احقر اس رسمی تعلق سے استعفا پیش کرتا ہے۔

اُردو پڑھ سکنے اور سمجھ سکنے والا ہر شخص خدارا بتائے کہ کیا قاری صاحب کی اس تحریر کا مطلب دارالعلوم کے اہتمام سے استعفے کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ دارالعلوم کے ساتھ ان کا "رسمی تعلق" تو اہتمام ہی کا تھا جس کی وہ باضابطہ تنخواہ پاتے تھے ـــ روحانی اور خادمانہ تعلق تو ان کا اس وقت بھی تھا جب وہ مہتمم مقرر نہیں کیے گئے تھے اور دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم سے تعلق رکھنے والے

۴۷

ہر شخص کا ہے۔

بہر حال اس استعفانامہ کے بارے میں یہ کہنا اور لکھنا کہ یہ دارالعلوم کے اہتمام سے استعفا نہیں ہے بلکہ کسی سوسائٹی کی رکنیت سے استعفا ہے۔ ایسا صریح اور سفید جھوٹ اور ایسی احمقانہ بات ہے جس کی توقع کسی ایسے ہی آدمی سے کی جا سکتی ہے جس کے دل میں نہ خوفِ خدا ہو نہ مخلوق کی شرم وحیا اور وہ عقل و دانش سے بھی محروم ہو، اس لیے ہمارا خیال ہے کہ یہ بات ہرگز خود قاری صاحب کی نہیں ہے بلکہ ان کی طرف سے اُن کے حلقہ کے وہ لوگ یہ بات کہہ رہے اور لکھ رہے ہیں جن کا یہی حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی ایمان اور عقل نصیب فرمائے۔

اس سلسلہ میں جو بات سننے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ قاری صاحب نے بمبئی کے اپنے ایک دولت مند مخلص مرید عزیز الحق صاحب کے مخلصانہ مشورہ اور اصرار پر اپنے حلقہ کے فتنہ پرداز لوگوں سے چھپا کر یہ استعفا لکھ دیا تھا، بعد میں جب ان لوگوں کو استعفے کا علم ہوا تو انھوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور ایک وکیل صاحب کو لائے جنھوں نے قاری صاحب کو سبز باغ دکھایا کہ اگر آپ استعفے سے انکار کر دیں تو عدالت میں جو دعویٰ آپ کی طرف سے دائر ہے اس میں آپ کو کامیابی حاصل ہو جائے گی اور دارالعلوم کے مہتمم اور متولی کی حیثیت سے عدالت آپ کو اس پر قبضہ دلائے گی۔ اور آپ ہی اس کے مختار کل ہوں گے۔ مجلس شوریٰ کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ اس طرح قاری صاحب کو آمادہ کر لیا گیا کہ وہ استعفے سے انکار کر دیں اور جو استعفا لکھا گیا ہے اس کی کوئی تاویل کر دی جائے۔

راقم سطور نے چھ صفحے کے اس عجیب و غریب خط کی فوٹو اسٹیٹ کاپی دیکھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ خط نہ قاری صاحب کے قلم کا لکھا ہوا ہے نہ اُن کا مضمون ہے، نہ ان کی زبان اور نہ ان کا طریقۂ تحریر ہے۔ غالباً وہ وکیل صاحب ہی کا لکھا ہوا یا لکھوایا ہوا ہے۔

۳۸

اور اللہ کی شان کہ خود اس خط کے اندر اس کی واضح شہادت اور دلیل موجود ہے کہ قاری صاحب نے اُس کو پڑھے یا سنے بغیر ہی اس پر دستخط فرما دیئے ہیں۔ وہ شہادت اور دلیل یہ ہے کہ اس میں عزیز اسحق صاحب اور صوفی عبدالرحمٰن صاحب دونوں کے متعلق لکھا گیا ہے کہ۔

"وہ حضرات اُردو کی ایک لائن نہ پڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں"۔

حالانکہ صوفی عبدالرحمٰن صاحب نہ صرف یہ کہ اُردو لکھ پڑھ سکتے ہیں بلکہ اُردو میں انھوں نے چند دینی و اصلاحی رسالے بھی لکھے ہیں جو شائع بھی ہو چکے ہیں، ان میں سے دو کے نام بھی راقم سطور کو اس وقت یاد ہیں۔ ایک "راہِ امن" دوسرا "روٹی کا مسئلہ" اور ناظرین کو یہ معلوم کر کے اور حیرت ہوگی کہ ان دونوں رسالوں پر مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تقریظ بھی چھپی ہوئی ہے اور یہ بات بھی راقم سطور کے علم میں ہے کہ صوفی صاحب قاری صاحب سے خط و کتابت بھی اُردو ہی میں کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قاری صاحب نے چھ صفحے والا یہ خط (جو ان کی طرف سے لکھا گیا ہے) اگر خود پڑھا یا سنا ہوتا تو کم از کم اس فاحش غلطی کی اصلاح وہ ضرور کرا دیتے۔ اس کے بعد اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ قاری صاحب نے اس عجیب و غریب خط پر دستخط بغیر اس کو پڑھے اور سنے ہی کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

لیکن بہر حال چونکہ اس پر دستخط قاری صاحب کے ہیں اور انہی کی طرف سے یہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو رجسٹرڈ بھیجا گیا ہے اس لیے قانون و ضابطہ کے لحاظ سے وہ انہی کا خط سمجھا جائے گا اور یہ واقعہ ہے کہ حالات و حقائق سے واقف جو بھی شخص اس کو پڑھے گا وہ قاری صاحب کے متعلق ایسی رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا۔ جو ہم سب کے لیے باعثِ شرم ہوگی۔ کیسے ظالم ہیں وہ لوگ، جو اُن کے ہمدرد بن کر اُن کے ساتھ یہ کھیل رہے ہیں اور ایسے غلط اور رسوا کن کام اُن سے

۳۹

کرائے ہے ہیں۔

عبرت اور سبق :

...... دارالعلوم دیوبند کے اس قضیہ نامرضیہ کے سلسلہ میں جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے اور اب آخر میں قاری صاحب کے اس خط کی صورت میں جو سامنے آیا ہے اس کا سب سے بڑا سبق ہم سب کے لیے یہ ہے کہ کچھ خبر نہیں کل ہمارا کیا حال ہو، اللہ تعالےٰ توفیق دے کہ ہماری سب سے بڑی فکر اور اللہ تعالیٰ سے دعاو التجا یہ ہو کہ ایمان سلامت رہے اور خدا کے خوف اور محاسبۂ آخرت کی فکر سے دل خالی نہ ہو، اسی حالت میں موت آئے اور اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے مغفرت فرمائے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی ہوئی یہ حدیث پاک ہمیشہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت زیادہ کیا کرتے تھے، "یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ" (اے دلوں کے پلٹ دینے والے خداوند! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت و قائم رکھنا!) ایک دن میں نے عرض کیا، کیا بات ہے آپ یہ دعا بہت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔

یاام سلمہ انہ لیس آدمی الا وقلبہ بین اصبعین من اصابع اللہ فمن شاء اقام ومن شاء ازاغ	اے ام سلمہ ہر آدمی کا دل اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے جس کا چاہے سیدھا رکھے، جس کا چاہے ٹیڑھا کر دے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۰ ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۸۲ء

دارالعلوم کے اختلافات کے سلسلے میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی یہ تحریر بالکل واضح اور بے غبار ہے۔ اس سے واقعات کو سمجھنا اور ان کا مبنی بر حقیقت تجزیہ کرنا بالکل مشکل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر اراکین نے شوریٰ اور اہتمام کے اس نزاع میں دارالعلوم کی حفاظت کے مقصد سے شوریٰ کا ساتھ دیا اور شوریٰ کی بالادستی قائم کرکے اسے بہت سے مفاسد سے بچالیا۔

اختلافات کے متعلق حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری کا تجزیہ

مولانا یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ دارالعلوم کے اختلافات میں حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری مسعودی کا کیا مقام تھا۔ وہ بھی اس قضیہ میں ایک اہم رکن تھے اور حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کے دست و بازو بنے رہے۔ نیز دارالعلوم وقف کے قیام میں شریک رہے اور اس کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہوئے۔

لیکن حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے انتقال پر شائع ہونے والے ایک مضمون میں وہ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ "یہ لطیفہ قدرت تھا کہ دارالعلوم کو صحیح ہاتھوں میں پہنچا دیا، جنھوں نے مستحکم بھی کیا اور وسیع بھی، قدم بڑھتے ہی چلے گئے، پیچھے نہیں ہٹے"۔ مزید کہتے ہیں کہ مداخلت کے خرخشوں سے محفوظ کرکے "دارالعلوم بلا شرکت غیرے شوریٰ کے ہاتھ میں دے گئے۔"

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری کی یہ شہادت تذکرۂ فدائے ملت (مرتبہ مفتی محمد سلمان منصورپوری) میں تاثرات ومشاہدات کے ذیل میں ص۲۷۹ پر شائع ہوئی ہے، جس کا عکس پیش خدمت ہے:

''دارالعلوم دیوبند کی داستان تھی ختم ہوچکی ایک آندھی تھی نکل چکی:

ہمراز یہ فسانہ آہ وفغاں نہ پوچھ

جب پورا قصہ ذمہ داروں نے ہی نمٹا دیا تو اب کیا کہنا اور کیا سننا، اب تو عام طور پر سنا جاتا ہے کہ یہ بھی لطیفہ قدرت تھا کہ دارالعلوم کو صحیح ہاتھوں میں پہنچادیا، جنھوں نے مستحکم بھی کیا اور وسیع بھی، قدم بڑھتے ہی چلے گئے، پیچھے نہیں ہٹے، حالانکہ ہم نے مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ جیسے فہیم سے براہ راست سنا تھا کہ دارالعلوم سفید ہاتھی ہے جسے پالنا پوسنا کارے دارد، لیکن اس سفید ہاتھی کا جسم وجثہ بڑھا، گھٹا نہیں، اسے روپ اصلی گھی کا مل رہا ہے، ڈالڈا کا نہیں، مزید مولانا مرحوم کا کارنامہ یہ کہ اپنی اولاد کو دارالعلوم میں دخیل نہیں ہونے دیا، اس مداخلت سے جو خرخشے پیدا ہوتے اس سے یہ مادر علمی محفوظ ہوگئی، چلتے چلتے سب کچھ نمٹا کر دارالعلوم بلا شرکت غیرے شوریٰ کے ہاتھ میں دے گئے، ہم نے ۲۵ سال تک دعویداران کی زورازوری بھی دیکھی اور عبرت انگیز پسپائی بھی جس پر صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ''وہ دیکھا یہ بھی دیکھ'' یہ حیرت انگیز ہے کہ والدہ مرحومہ کا تابوت بھی دہلی سے آیا اور لخت جگر بھی وہیں سے، فرحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ۔

○○

اراکین شوریٰ پر 'تاریخ کے قاتل' کے سنگین الزامات

دوسری طرف انھوں نے اپنی اپج کو صحیح ثابت کرنے کے لیے موقر اراکین شوریٰ کے بارے میں بہت ہی بھونڈے اور ناروا الفاظ استعمال کیے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''۱۹۸۱ء کے دور کی شوریٰ کے بھی زیادہ تر ممبران مولوی اسعد مدنی کے اشاروں پر ناچتے تھے۔'' (تاریخ کے قاتل، ص ۲۲۱)

''حضرت حکیم الاسلام نے جب بھی شوریٰ بلائی، تو صرف چار پانچ ممبران کے علاوہ کوئی نہیں آتا تھا۔ یہی چار پانچ ممبران بکنے والے ضمیر کے مالک نہیں تھے، جن میں حضرت شاہ ابرار الحق صاحب، مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب، مولانا سعید احمد اکبر آبادی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

ان کے علاوہ اکثر ممبران مولوی اسعد مدنی کو اپنا آقا تسلیم کرچکے تھے۔"
(تاریخ کے قاتل، ص ۲۲۱)

"حکیم الاسلام قاری طیب صاحب نے جب بھی شوریٰ بلاکر اس مسئلے پر بات کرنا چاہی تو شوریٰ کے زیادہ تر ممبران غیر حاضر رہے؛ اس لیے شوریٰ ہو ہی نہیں پاتی تھی۔ سال ڈیڑھ سال تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔ مولوی اسعد مدنی صاحب نے شوریٰ کے ہر ممبر کو اس کے قد کے حساب سے منصب و دولت عطا کرکے اپنے حکم کے تابع بنالیا... شوری محض ایک شخص کی اسارت میں اپنا وقار کھوچکی تھی...." (تاریخ کے قاتل، ص ۲۲۱)

آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ جن اکابر علمائے کرام کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ وہ مولانا اسعد مدنی کو اپنا آقا تسلیم کرچکے تھے، اشاروں پر ناچتے تھے اور ان کو منصب و دولت عطا کرکے قابو میں کرلیا گیا تھا، ان میں کیسی کیسی عظیم ہستیاں شامل ہیں:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حضرت مولانا حبیب الرحمن محدث اعظمی

حضرت مولانا شاہ عبد الحلیم جون پوری

حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی (واضح رہے کہ اوپر درج بالا اقتباس میں آپ کا نام قاری صاحب کے موافقین میں ذکر کرنا ایک غلطی ہے)

حضرت مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی (سابق ناظم دینیات، جامعہ ملیہ)

حضرت الحاج نواب عبید الرحمن خان شروانی (سابق وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی)

حضرت مولانا محمد سعید سملکی مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، گجرات

حضرت مولانا عبد القادر صاحب مالیگاؤں، مہاراشٹر

حضرت حاجی علاء الدین صاحب تاجر ممبئی

حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری

حضرت مولانا معراج الحق دیوبندی، صدر المدرسین دار العلوم دیوبند
حضرت مولانا محمد عثمان صاحب نواسۂ شیخ الہند

ان شخصیات کے سلسلے میں ذرا بھی واقفیت رکھنے والے بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں کہ جناب ابو عکاشہ صاحب کے سنگین الزامات میں کتنی سچائی ہے؟

ص ۲۲۰: 'غیر آئینی اقدامات' کا معاملہ

جناب ابو عکاشہ صاحب رقم طراز ہیں:

"۱۲۰/ واں سال کے تحت فاضل مرتب نے جو عبارت لکھی ہے اس کو پڑھنے کے بعد ہمارا دل کانپ گیا، ہم لرز اٹھے۔ خدایا رحم۔ کوئی اتنا بے ضمیر کیسے ہو سکتا ہے، آخر علم دین حاصل کرنے کے بعد دینی ادارے ہی میں ملازمت کرنے والے لوگ ایمان سے اس قدر خالی ہو سکتے ہیں۔ کیا ان کو خدا کا بالکل خوف نہیں رہا۔ کیا یہ قطعاً بھول گئے کہ ہمیں مرنا ہے اور اپنے ہر قول و فعل کا حساب دینا ہو گا۔ بلاشبہ عالموں سے دوزخ کی ابتدا کی جائے گی وہ یہی بے ضمیر لوگ ہوں گے جو آخرت کو بالکلیہ طور پر بھلائے بیٹھے ہیں۔

الزام لگانا کتنا سخت گناہ ہے، یہ ہر خاص و عام جانتا ہے اور جب کوئی خطا وار نہ ہو تو اس بے قصور پہ بے بنیاد الزام عائد کرنے کا انجام تو یقیناً سخت تر ہی ہو گا۔ فاضل مرتب جناب محمد اللہ صاحب نے حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ جیسی مز کی شخصیت پر جو الزام اپنی عبارت میں تحریر کیا ہے وہ بلاشبہ غلط ہے، جھوٹ ہے۔ فاضل مرتب لکھتے ہیں:

"مجلس شوریٰ نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو غیر آئینی اقدامات کی وجہ سے مہتمم کے عہدے سے معطل کر دیا۔"

ہمیں تو حیرت اسی بات پر ہے کہ جس عظیم المرتبت شخصیت کے بارے میں کبھی کوئی ایک لفظ بھی مخالفت کا نہ کہہ سکا۔ جس کی صداقت اور اعلیٰ ظرفی کے قائل اس کے مخالف بھی رہے۔ جن کی ایمان داری، تزکیہ نفس اور تعمیری صلاحیتوں سے ایک جہاں آشنا ہے اس عظیم شخص کے بارے میں یہ لکھنا کہ اس نے غیر آئینی اقدامات کیے، کس قدر بے بنیاد الزام اور سنگین بہتان تراشی ہے۔ کیا فاضل مرتب نے یہ سمجھ لیا ہے کہ آخرت میں ان کے پیر مولوی اسعد مدنی صاحب ان کو عذاب سے بچانے آجائیں گے۔" (تاریخ کے قاتل، ص ۲۲۰)

پوری کتاب میں یہی ایک لفظ 'غیر آئینی اقدامات' جناب ابو عکاشہ کو ملا جس کو لے کر انھوں نے جامع و مختصر تاریخ کے مرتب پر الزام عائد کرنے کے ساتھ نصیحتیں بھی کر ڈالیں۔ بہرحال ہمیں عرض یہ کرنا ہے کہ 'غیر آئینی اقدامات' کے سلسلے میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے سب سے موقر رکن حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے مذکورہ رسالہ کے صفحہ ۲۷و۲۸ پر دس (۱۰) ایسے اقدامات کا ذکر کیا ہے، آپ انھیں دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

ص ۲۲۳ تا ۲۸۲: مفتی عتیق الرحمن عثمانی کے نام کے ساتھ حضرت نہیں لکھا گیا؟

جناب ابو عکاشہ صاحب لکھتے ہیں:

"اسی صفحہ پر ۱۲۲/ واں سال کے تحت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی کے انتقال کی خبر دی گئی ہے۔ قارئین! اب ہم کیا کہیں۔ واقعی حد ہوگئی تعصب اور چاپلوسی۔ کوئی کہاں تک نظر انداز کرے؟ اب آپ خود دیکھیے: حضرت مفتی صاحب کے انتقال کی خبر کے طور پر یہ جملہ

لکھا ہے: "مجلس شوریٰ کے سابق رکن مفتی عتیق الرحمن عثمانی کا انتقال ہوا"۔ نہ حضرت نہ مولانا نہ ہی رحمۃ اللہ علیہ نہ ہی صاحب، کچھ بھی ادب و لحاظ کا اظہار نہیں ہے۔ یہ تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟..." (تاریخ کے قاتل، ص ۲۲۳)

حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی کے نام کے ساتھ حضرت وغیرہ کے تعظیمی القاب نہ ہونے کی وجہ سے جناب ابو عکاشہ صاحب نے ساٹھ (۶۰) سے زائد صفحات سیاہ کیے گئے اور حضرت مفتی صاحب کی عظمت و رفعت کو بیان کرنے کے لیے متعدد مضامین نقل کر دیے ہیں۔ دوسری طرف تماشہ دیکھیے کہ انھوں نے خود حضرت مفتی صاحب کا نام اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر بلا 'حضرت' اور 'عثمانی' وغیرہ کے لکھا ہے، مثلاً 'مفتی عتیق الرحمن' ص ۴۵۴ وغیرہ۔

بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس مقام پر 'جامع و مختصر تاریخ' کے مرتب کی چوک ہے حضرت کا لاحقہ نہیں لگایا؛ کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے پوری کتاب میں حضرت مفتی صاحب کا ذکر کتنے وقیع الفاظ میں کیا ہے، مثلاً ص ۵۶۸ اور ۶۴۵ وغیرہ پر۔

ذیل میں حضرت مفتی صاحب کے سوانحی حالات کا عکس پیش ہے:

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز فاضل، باشعور سیاست داں اور مفکر و مدبر تھے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے خلف رشید اور ندوۃ المصنفین کے بانی تھے۔

ہیں۔ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ظفر الحق ہے۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔ شروع ہی سے آخر تک دارالعلوم کے اساتذہ سے پڑھا۔ ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں دارالعلوم میں معین المدرسین ہوئے اور اسی کے ساتھ افتاء کا کام بھی کرتے رہے۔ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے۔ وہاں پانچ سال تک مفتی اور مدرس رہے۔

۱۹۳۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک نمک سازی کے زمانے میں سیاسی دل چسپی کے باعث اپنے رفیق حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے مستعفی ہوگئے اور پانچ سال تک کلکتہ میں تفسیر، افتاء اور تبلیغ کی خدمات انجام دیں۔ وہاں مفتی صاحب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی۔ اسی زمانے میں انھوں نے ندوۃ المصنفین کا خاکہ تیار کیا۔

۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء سے ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء تک دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں ان کی جدو جہد سے قرول باغ دہلی میں دار المصنفین قائم ہوا۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی علوم کی نشر و اشاعت کی خدمات انجام دی جائیں۔ چناں ندوۃ المصنفین سے سیکڑوں گراں قدر کتابیں شائع ہوئیں جو تفسیر و حدیث، تاریخ، لغت، اخلاق، سیاسیات کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ندوۃ المصنفین سے ایک بلند پایہ اور معیاری ماہنامہ 'برہان' بھی نکلتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب تاحیات ندوۃ المصنفین کے ناظم اور روحِ رواں رہے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کی قیامت خیز تباہی کے باوجود نہ صرف اس ادارہ کو زندہ رکھا بلکہ اپنی ہمتِ مردانہ سے اس میں از سرِ نو جان ڈالی اور اجڑے ہوئے گلستان کو دوبارہ چمنستان بنادیا۔

مفتی صاحب کا شمار ملک کے ممتاز اور بالغ نظر اربابِ علم و فضل میں ہوتا تھا۔ بہت سے علمی و دینی اداروں کے ممبر بھی رہے۔ ایک عرصہ تک مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کورٹ ممبر رہے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے کاموں میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ہمیشہ دستِ راست رہے۔ ان کے انتقال کے بعد جمعیۃ علمائے ہند کے ورکنگ صدر بنائے گئے۔ پھر مجلسِ مشاورت کے صدر ہوئے اور قومی و ملی کارناموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

تحریر و تقریر دونوں پر انھیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ ندوۃ المصنفین اور قومی و ملی کاموں کی مصروفیت کے باعث اگر چہ خود ان کی خود کوئی تصنیف سامنے نہیں آسکی، مگر ندوۃ المصنفین سے شائع ہونے والی کتابیں در حقیقت انھیں کے ذوقِ تصنیف اور حسنِ تدبیر کی آئینہ دار ہیں۔ خود داری، آزادئ ضمیر، حریتِ نفس، معاملہ فہمی، نکتہ رسی اور فقہی دیسہ سنجی ان کے مخصوص اوصاف ہیں۔

۱۰ر شعبان ۱۴۰۴ھ/ ۱۲ر مئی ۱۹۸۴ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور منہدیان میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دار العلوم دیوبند، دوم، ص ۱۴۴-۱۴۶؛ پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۹۹-۲۰۰

(دار العلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، ص ۶۴۳ تا ۶۴۴)

ص ۲۸۳ تا ۲۹۰: مولانا وحید الزماں کیرانوی کی علیحدگی

یہاں بھی جناب ابوعکاشہ صاحب کو اشکال ہے کہ حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی کی علیحدگی کے سلسلے میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے کردار کو ذکر نہیں کیا ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے حضرت مولانا وحید الزمان کیرانوی کے ایک طفیل مضمون کو نقل کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سالانہ اہم واقعات کی ٹائم لائن میں ۱۲۸ ویں سال کے ذیل میں حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی کی علیحدگی کا ذکر ہے اور اس کے سیاق وسباق سے بالکل تعرض نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی وہ اس کا موقع ہے۔

ص ۲۹۱ تا ۴۵۰: حضرت مولانا سید اسعد مدنی

جامع ومختصر تاریخ میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے سلسلے میں لکھا ہے:

"مجلس شوری کے اہم ترین رکن امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند کا سانحۂ انتقال پیش آیا۔ دارالعلوم کی ترقی اور اس کی خدمات کی توسیع میں آپ کا اہم حصہ ہے۔ دارالعلوم کے بہت سے نئے شعبہ جات اور سرگرمیوں کی اصل محرک آپ کی ہی شخصیت رہی ہے۔ آپ کی فعال اور موئثر قیادت سے دارالعلوم کو بڑا فائدہ پہنچا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۱۰۸)

محض اسی عبارت کی بنیاد پر جناب ابوعکاشہ صاحب نے مرتب کتاب پر چاپلوسی، تملق اور نہ جانے کیا کیا الزامات لگائے ہیں۔ پھر حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے 'مناقب' میں انھوں نے (صفحہ از ۲۹۱ تا ۴۵۰) تقریباً ایک سو ساٹھ (۱۶۰) صفحات سیاہ کیے ہیں؛ جن میں متعدد افراد کی تحریریں اور رسائل شامل ہیں۔ ان تحریرات و رسائل کی فہرست 'تاریخ کے قاتل' سے ذیل میں نقل کی جارہی ہے:

مولوی اسعد مدنی صاحب کی شخصیت واقعات وحقائق کی روشنی میں........ ۲۹۶
جمعیۃ علمائے ہند........ ۲۹۶
کرگس کے تصرف میں ہے شاہیں کا نشیمن........ ۳۰۳
جمعیۃ علماء ہند کا ماضی اور حال (از: عبدالخالق سہارنپوری)........ ۳۰۵
جمعیۃ کی صحیح تصویر........ ۳۰۵
علیحدگی کا فیصلہ ایک عظیم سانحہ........ ۳۰۶
موہوم اندیشے........ ۳۰۶
جماعتِ اسلامی کا معجزہ........ ۳۰۷
جمعیۃ کا حسین نعرہ........ ۳۰۷
مجلس جمعیۃ کے لیے خطرے کا الارم........ ۳۰۷
جمعیۃ کی ناکامی........ ۳۰۸
تجلّی........ ۳۱۲
جمعیۃ علماء ہند کی صفوں میں پھیلی ہوئی سنگین کش مکش (از: مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی)..... ۳۱۹
جمعیۃ علماء ہند کا حقیقی موقف........ ۳۲۰
گروہ بندی کا آغاز........ ۳۲۱
۱۹۶۳ء کا صدارتی انتخاب........ ۳۲۳
اجلاسِ میرٹھ........ ۳۲۴
دفعہ ۲۷ کا قضیہ........ ۳۲۵
معاہدہ ۲۳رجون ۱۹۶۳ء........ ۳۲۵
مرکزی دفتر کی سرگرمیاں........ ۳۲۶
ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ!........ ۳۳۲
۱۹۶۶ء میں مسلم مجلسِ مشاورت کا جلسہ اور اُس میں کیا گیا ہنگامہ........ ۳۳۸
مولوی اسد آتے ہیں........ ۳۴۶
نکتے کی بات........ ۳۵۰
آخری بات........ ۳۵۱

خط اور جواب خط ۳۵۳
دو پوسٹر ۳۵۶
اظہار حقیقت -یا- کورا ناٹک ۳۵۷
سُن تو سہی ۳۵۹
ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کا بیان ۳۵۹
ریاستی وزیر داخلہ کے نام خط ۳۶۲
مولانا منظور نعمانی کا بیان ۳۶۳
مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا بیان ۳۶۵
عالمی امن کونسل کے صدر پنڈت سندر لال کا بیان ۳۶۷
صدر جمعیۃ الطلباء کا بیان ۳۶۹
''ندائے ملت'' کا نوٹ ۳۷۰
ملاپ کے نامہ نگار کا بیان (جو موقع پر موجود تھا) ۳۷۲
ایڈیٹر ''بے باک'' کا بیان ۳۷۲
مولوی ہلال صاحب (استاذ دارالعلوم) کا بیان ۳۷۷
واقعہ دیوبند کے سلسلے میں مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کا بیان ۳۸۰
تجلی ۳۸۲
آغازِ سخن ۳۸۵
جھوٹ کا انبار ۳۹۹
انکوائری رپورٹ کا جائزہ ۴۰۰
تنقیح (۱) ۴۰۱
تنقیح (۲) ۴۰۲
تنقیح (۴) ۴۰۴
تنقیح (۵) ۴۰۶
تنقیح (۶) ۴۰۸
تنقیح (۷) ۴۰۹

تنقیح (۸).. ۴۱۰
تنقیح (۹الف).. ۴۱۲
تنقیح (۹ب).. ۴۱۳
تنقیح (۱۰).. ۴۱۳
تنقیح (۱۱).. ۴۱۴
تنقیح (۱۲).. ۴۱۵
تنقیح (۱۳).. ۴۱۶
منہ بولتا جھوٹ.. ۴۱۷
حقائق... جنھیں جھٹلایا جارہا ہے.. ۴۲۰
دارالعلوم دیوبند کا ہنگامہ: مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا فیصلہ.. ۴۲۲
پہلی بات.. ۴۲۵
جدید ستم.. ۴۲۷
دوسری بات.. ۴۳۷

ملّت فروش کا پوسٹ مارٹم (ازقلم: صادق صابری)

کچا چٹھا.. ۴۴۱
کرسی سے چٹائی تک.. ۴۴۴
تجزیہ.. ۴۴۵
حُبِ وطن.. ۴۴۶
گیدڑ بھبھکی.. ۴۴۶
ردِّ عمل.. ۴۴۷
چمتکار.. ۴۴۷
مشورہ.. ۴۴۷
گارنٹی.. ۴۴۷
تقویٰ.. ۴۴۸
فنکاری.. ۴۴۸

تجربہ.. ۴۴۸
فطرت.. ۴۴۸
مہارت.. ۴۴۸
دُوراندیشی.. ۴۴۸
تلخ حقیقت.. ۴۴۹
مشاہدہ.. ۴۴۹
اِلزام.. ۴۴۹
فراڈ کی سیپجری.. ۴۴۹

حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی تنقید و تنقیص سے پوری کتاب بھری ہوئی ہے۔ بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض مدنی خانوادہ کی عداوت اور دشمنی میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اور چوں کہ دارالعلوم کے موجودہ دور کا اُن سے خاص تعلق ہے؛ اس لیے اس عہد کی تاریخ پر انھیں بے جا اشکالات و اعتراضات ہیں۔

چوں کہ جمعیۃ علمائے ہند، مجلس مشاورت وغیرہ کا معاملہ ہمارے موضوع سے خارج ہے؛ اس لئے اس سلسلے میں ہم کوئی تبصرہ نہیں کریں گے۔ہاں، اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے کو مشورہ ضرور دیں گے کہ وہ صرف یک طرفہ پیش کی ہوئی تفصیلات پر قطعاً یقین نہ کریں، بلکہ دوسرے فریق کے موقف کو سنے اور دیکھے بغیر کوئی رائے قائم نہ کریں۔ جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس مجلس منتظمہ فیض عام انٹر کالج میرٹھ منعقدہ جون ۱۹۶۳ ء اور اجلاس مشاورت دیوبند منعقدہ اکتوبر ۱۹۶۶ء کے سلسلے میں خاص طور پر الجمعیۃ دہلی، ماہنامہ تذکرہ دیوبند اور شاید مدینہ بجنور وغیرہ کی فائلیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

جہاں تک جامع و مختصر تاریخ کے مرتب پر حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے تئیں تملق اور چاپلوسی کا الزام ہے، آئندہ صفحات میں ہم اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔

ص ۴۵۴ : نودرہ کی عمارت کے ذیل میں مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام ذکر نہیں؟

حیرت ہوتی ہے کہ جناب ابو عکاشہ صاحب نے جامع و مختصر تاریخ کے مرتب پر صاف کذب بیانی کرتے ہوئے نودرہ کی تعمیر کے ذیل میں حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام ذکر نہ کرنے کا الزام لگایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"نودرہ دارالعلوم کی پہلی باقاعدہ عمارت ہے۔ جس کی بنیاد دارالعلوم کے بانیین اکابر ستہ کے ساتھ چند اور قابل رشک اور قابل قدر اکابر و اصاغر نے رکھی تھی، جن کے نام فاضل مرتب نے صفحہ ۱۱۹ پہ لکھے ہیں؛ لیکن ان ناموں کو درج کرتے وقت فاضل مرتب نے دیانت کا دامن چھوڑتے ہوئے خیانت سے کام لیا ہے۔ خیانت یہ ہے کہ انھوں نے ایک ایسی اہم شخصیت کا نام درج نہیں کیا جو دارالعلوم کے قیام میں روز اول سے ہر ہر قدم پہ شریک ہے۔ اور جو اس وقت بوقت سنگ بنیاد بھی وہاں موجود تھی، یعنی مولانا فضل الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔" (تاریخ کے قاتل، ص ۴۵۴)

آپ خود جامع و مختصر تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، تعمیر نودرہ کے ذیل میں حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام اور اس سلسلے میں ان کے اشعار (ص ۱۲۰-۱۱۹) پر موجود ہیں۔

نودرہ کی تعمیر کی یہ ساری تفصیلات تاریخ دارالعلوم (جلد اول، ص ۱۸۳ تا ۱۸۶) میں بھی اسی طرح موجود ہیں۔ تاریخ دارالعلوم میں روداد اور ارواح ثلاثہ کے حوالے سے ناموں کو ذکر کیا گیا ہے اور بعینہ انھیں ناموں کو جامع و مختصر تاریخ میں نقل کیا گیا ہے۔ لیکن تاریخ دارالعلوم پر جناب ابو عکاشہ صاحب کو کوئی اشکال نہیں ہے۔

ص ۴۵۵: تعمیر مسجد قدیم کے ذکر میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا نام نہیں

ابو عکاشہ صاحب کہتے ہیں کہ قدیم مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں جامع و مختصر تاریخ میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ اس کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "فاضل مرتب نے طے کر رکھا ہے کہ کہ تاریخ کو مسخ کر کے ہی دم لیں گے۔ فاضل مرتب نے تاریخ مرتب نہیں کی ہے؛ بلکہ فن تاریخ نویسی کا مذاق اڑایا ہے۔ انھوں نے قلم کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جو آوارہ لڑکے دوسروں کی بہو بیٹیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔' (تاریخ کے قاتل، ص ۴۵۵)

مسجد قدیم کی تعمیر کے سلسلے میں یہی ساری تفصیلات تاریخ دارالعلوم میں موجود بھی موجود ہیں۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول (مرتبہ سید محبوب رضوی) ص ۲۱۶ تا ۲۲۱ پڑھ جایئے اس میں بھی کہیں آپ کو مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا نام نامی نہیں دکھائی دے گا۔ کیا محض اتنی سی بات پر ابو عکاشہ صاحب جناب سید محبوب رضوی مرتب تاریخ دارالعلوم کو بھی کچھ کہنے کی جرأت فرمائیں گے؟

ص ۴۵۶ تا ۴۷۲: تعمیر دارالحدیث کے ذکر میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا نام نہیں

ابو عکاشہ رحمان صاحب کو اعتراض ہے کہ دارالحدیث کی تعمیر کے سلسلے میں بھی حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا ذکر دانستہ چھوڑ کر

خیانت کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ پھر انھوں نے ان حضرات کی شرکت کو ثابت کرنے کے لیے رودادوں کے صفحات نقل کر دیے ہیں۔

یہاں بھی ہم تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد اول (مرتبہ سید محبوب رضوی) کو دیکھتے ہیں کہ اس میں بھی دارالحدیث کی تعمیر کے ذیل میں مولانا حبیب الرحمن عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کا نام ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ (دیکھئے: ۲۲۶ تا ۲۲۹)

تو پھر کیا سید محبوب رضوی صاحب نے بھی دانستہ اس خیانت کا ارتکاب کیا ہے؟

ص ۴۷۳ تا ۴۸۱: ریلوے اسٹیشن کی مسجد کی تعمیر کے ذکر میں حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا نام نہیں

پھر جناب ابو عکاشہ صاحب کو اشکال ہے کہ ریلوے اسٹیشن کی مسجد کے بیان میں بھی حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا ذکر نہیں ہے۔ اس کے بعد انھوں نے کئی صفحات میں بے جا اور بے ربط باتیں ذکر کی ہیں۔

ہر عمارت کے تعمیر کے ذیل میں سب کا ذکر ضروری نہیں، جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند میں (جلد اول ص ۲۴۱ پر) سید محبوب رضوی صاحب نے اسٹیشن والی مسجد کی تعمیر کے ذیل میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

تاہم 'جامع و مختصر تاریخ' میں دوسرے دور کے حالات کے ذیل میں (ص ۸۱ تا ۸۲ پر) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کے دور میں ہونے والی تعمیری سرگرمیوں کو بیان کیا گیا ہے اور اس ذیل میں مسجد قدیم، دارلحدیث، اسٹیشن والی مسجد وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔

'عکس احمد' بھی ملاحظہ فرمالیں

دارالعلوم وقف دیوبند سے شائع شدہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی سوانح حیات 'عکس احمد' کسی غرض سے الٹ پلٹ رہا تھا، دیکھا کہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے دور اہتمام میں پیش آنے والے واقعات اور اس دور کی ترقیات کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس میں جہاں حضرت حافظ صاحب کی اعلی علمی و انتظامی صلاحیت کا ذکر موجود ہے، وہیں اس میں مسجد قدیم، دارالحدیث اور اسٹیشن والی مسجد کی تعمیر کا ذکر بھی ہے اور اس میں کہیں بھی حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، جب کہ بہ حیثیت نائب مہتمم وہ اس میں کسی نہ کسی درجہ ضرور شریک رہے ہوں گے، لیکن اس کتاب کے اندر اس ذیل میں ان کا نام نامی مذکور نہیں ہے۔ یہ کتاب حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف نے مئی ۲۰۱۴ء میں شائع کی ہے؛ یعنی جامع و مختصر تاریخ سے دو سال پہلے، لیکن جناب ابو عکاشہ صاحب کی 'نظر تحقیق' اس جانب نہیں گئی اور ان کا 'ذوق انصاف' حرکت میں نہیں آیا۔

ص ۴۷۶: اکابر علماء کا مذاق

مسجد رشید کی تعمیر کی افتتاحی تقریب کے سلسلے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "صفحہ نمبر ۱۳۲ تا ۱۳۳ پہ ایک جملہ لکھا ہے، ہمیں بس اسی ایک جملے کو پڑھ کر ہنسی آگئی، آپ بھی مزہ لے لیجئے۔ مسجد رشید کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۴/اپریل ۱۹۸۶ء کو جمعہ کی نماز کے بعد، اب وہ جملہ ہے: "صلاح و تقوی، علم و معرفت اور روحانیت واخلاص کے ایک پاکیزہ قافلے... ایک وسیع و عریض مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔"
>
> قارئین! جس قافلہ کو پاکیزہ اور نہ جانے کیا کیا لکھا ہے جب اس میں شریک لوگوں کے نام پڑھے تو ہنسی آگئی۔ بلاشبہ مولوی اسعد صاحب کی

چاپلوسی میں فاضل مرتب اس درجہ ملوث ہیں کہ بہت اچھے تمثیلی جملے لکھنے کو دل کو دل چاہ رہا ہے؛ لیکن ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم قلم روک رہے ہیں۔

قارئین! آپ خود بتائیں کہ مولوی اسعد مدنی جیسا سیاسی آدمی جس قافلے میں شریک ہو اس قافلہ کو کوئی بھی صاحب عقل اخلاص کا پاکیزہ قافلہ کیسے کہہ سکتا ہے۔" (تاریخ کے قاتل، ص۴۷۶ تا ۴۷۷)

اب آپ 'جامع و مختصر تاریخ' کا وہ پیراگراف ملاحظہ فرمالیں:

"۲۳ رجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۴/ اپریل ۱۹۸۶ء کو جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد تین بجے صلاح و تقوی، علم و معرفت اور روحانیت و اخلاص کے ایک پاکیزہ قافلہ نے باب الظاہر کے عقب جانب شمال اور باب مدنی کے جانب غرب میں ایک وسیع و عریض مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس نورانی قافلے میں خاندان حضرت گنگوہی کے چشم و چراغ حضرت مولانا حکیم عبد الرشید محمود صاحب نبیرۂ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی عرف ننھو میاں، فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی مفتئ اعظم دارالعلوم، حضرت مولانا سید اسعد مدنی، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری، حضرت مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی، حاجی علاء الدین صاحب بمبئی، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب وغیرہ کے علاوہ اساتذہ، طلبہ اور اہل دیوبند کی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔ بنیاد رکھنے کے بعد ان قدسی صفات بزرگوں نے اپنے ہاتھ بارگاہ خداوندی میں پھیلا دیے اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگی۔"

کیا ان اکابر و مشائخ پر مشتمل یہ جماعت صرف حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی شرکت کی وجہ سے اخلاص و پاکیزگی سے محروم ہو جائے گی؟ جناب ابو عکاشہ صاحب کی علماء دشمنی کتاب میں جگہ جگہ نمایاں ہے۔

ص ۴۸۱ تا ۶۹۹: ابوعکاشہ صاحب کا مودودیت کا دفاع

جناب ابوعکاشہ صاحب نے 'تاریخ کے قاتل' کے ۲۱۹/ صفحات میں مودودیت کے بھرپور دفاع کا فریضہ انجام دیا ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے متعدد رسائل نقل کر دیے ہیں۔ انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی مخالفت صرف حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی ذاتی پرخاش اور جمعیۃ کی بالادستی کے جذبے کی بنیاد پر تھی۔ اسی سلسلے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:

"بہرحال قیادت کے شوق میں مولانا مدنی نے کفار کی جماعت کا ساتھ دیا اور اسی قیادت کے شوق میں جب دیکھا کہ مولانا مودودی کی جماعت اسلامی مشہور اور معروف ہونے کے ساتھ ساتھ عوام میں مقبول ہو رہی ہے تو فقط اس خوف سے کہ اگر جماعت اسلامی ہٹ ہو گئی تو جمعیۃ علمائے ہند کا مرتبہ کم ہو جائے گا، جس کی وجہ سے ہماری قیادت کمزور پڑ جائے گی، بس پھر کیا تھا سنی سنائی باتوں پر بلا تحقیق یقین کر کے اور مولانا مودودی کی تحریروں میں کتر بیونت کے ساتھ خیانت کی روش اختیار کرتے ہوئے ایسے ایسے بے محل اور بچکانے اعتراض کیے گئے کہ کہیں کہیں تو ہنسی آتی ہے کہ واہ رے سیاست! فقط اقتدار کے لیے کیسے ایک اچھی خاصی تحریر کو بھی غلط ڈھنگ سے بیان کر کے اس میں کیڑے نکال لیے گئے۔ ...... مولانا حسین احمد مدنی کے بعد ان کے فرزند ارجمند مولوی اسعد مدنی صاحب نے بھی اپنے اسی مزاج کا مظاہرہ کیا جو اقتدار کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا۔" (تاریخ کے قاتل، ص ۱۵۶)

"گزشتہ صفحات میں ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ مولانا مودودی کی مخالفت کسی دینی یا اصلاحی جذبے کے سبب نہیں؛ بلکہ خالص سیاسی تھی۔ اسی لیے مولانا حسین احمد مدنی ؒ سے پہلے اور بعد بھی ان کے یا

ان کے عقیدت مندوں کے علاوہ کسی نے بھی مولانا مودودی کی تحریروں پر اعتراض نہیں کیا۔" (تاریخ کے قاتل، ص ۴۸۲)

آپ نے دیکھا کہ کس طرح ڈھرلے سے جناب ابو عکاشہ صاحب شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ پر خیانت اور اقتدار پرستی کا بہتان لگارہے ہیں۔ آیئے مولانا مودودی اور ان کی تحریک کے سلسلے میں ہم مختصراً دیکھتے ہیں کہ حضرت مدنی کے علاوہ اور کن اکابر علماء نے مولانا مودودی کی مخالفت میں کتابیں اور رسائل لکھے ہیں:

(۱) الاستاذ المودودی وشیٔ من حیاته وافکاره، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

(۲) فتنۂ مودودیت، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی

(۳) جماعت اسلامی کا دینی رخ، حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی

(۴) جماعت اسلامی کے نظریات وافکار، حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی

(۵) جماعت اسلامی پر تبصرہ، مولانا عبد الصمد رحمانی

(۶) دار العلوم کا ایک فتوی اور اس کی حقیقت، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

(۷) حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب، حضرت مولانا احمد علی لاہوری

(۸) مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

(۹) کشف حقیقت یعنی تحریک مودودیت اپنے اصلی رنگ میں، حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب

(۱۰) مودودی صاحب کا ایک غلط فتوی اور ان کے چند دیگر باطل نظریات، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر

(۱۱) براءۃ عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت مولانا ظفر عثمانی

(۱۲) مقام صحابہ، حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی

(۱۳) شواہد تقدس اور تردید الزامات، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندی

(۱۴) درر منثورہ، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندی
(۱۵) آئینہ تحریک مودودی، حضرت مفتی مہدی حسن صاحب
(۱۶) عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی
(۱۷) جماعت اسلامی کے دینی رجحانات، مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب
(۱۸) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی
(۱۹) محاضراتِ رد مودودیت، مولانا عبد الخالق سنبھلی
(۲۰) مقدمۂ تفہیم القرآن کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مولانا ریاست علی بجنوری
(۲۱) مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں، مولانا حکیم اختر صاحب
(۲۲) جماعت اسلامی کا دینی رخ، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
(۲۳) علمی محاسبہ، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
(۲۴) مودودی مذہب، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
(۲۵) مودودی کے نام کی کھلی چٹھی، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
(۲۶) مکتوبات ثلثہ، مولانا عبد الرشید محمود گنگوہی
(۲۷) مودودی صاحب اور ان کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین، از علمائے دیوبند، دارالاشاعت کراچی
(۲۸) عصمت انبیاء اور مولانا مودودی، مولانا طاہر حسین گیاوی
(۲۹) تفہیم القرآن پر ایک تحقیقی جائزہ، مفتی جمیل الرحمن پرتاپ گڑھی

اس کے علاوہ اردو کی تقریباً تمام کتب فتاوی میں آپ کو مودودیت اور جماعت اسلامی کے عنوان سے ابواب اور فتاوی مل جائیں گے جس میں اس کو ایک مستقل فرقہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے ہم صرف مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کے دو مختصر فتوے اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی کا ایک فتوی نقل کر رہے ہیں؛ کیوں کہ کم از کم ان بزرگوں کے بارے

میں جناب ابو عکاشہ صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حضرات بھی شیخ الاسلام حضرت مدنی کے مرید اور شاگرد ہیں۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کا فتوی

حضرت مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی کے مجموعہ 'فتاوی 'کفایت المفتی' میں فرقہ 'مودودی کے نام سے ایک مستقل عنوان قائم کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۵۱ء کے لکھے ہوئے فتوے میں واضح طور پر لکھا ہے کہ مولانا ابو الاعلی مودودی گم راہ اور ان کی جماعت اسلامی اسلام میں ایک ایسا فتنہ ہے جو بہت قوی اور بہت اندیشہ ناک ہے ۔ دوسرے فتوے میں انھوں نے مولانا مودودی کی اجتہادی شان اور صحابہ کرام پر اعتراضات کی وجہ سے اس تحریک سے علیحدہ رہنے اور اس سے ربط و اتحاد رکھنے سے منع فرمایا۔ اب مکمل سوال و جواب دونوں ملاحظہ فرمائیں۔

فصل پنجم فرقہ مودودی

سوال

محترمی و مکرمی مفتی صاحب مدظلہ العالی۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے جناب کے اسم گرامی سے یہ فتویٰ موسوم کیا ہے کہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی سے متعلق حضرات کافر ہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ بات درست ہے کہ جناب نے جماعت اسلامی کے متعلق ایسا فتویٰ صادر فرمایا ہے تو پھر یہ خاکسار بلا چون و چرا اس کو تسلیم کرے گا۔ اس لئے کہ جناب کی ذات والاصفات پر بندہ کو کامل اعتماد ہے کہ آپ دین کے معاملہ میں امت محمدی کے کسی فرد کو کسی حالت میں گمراہ نہ کریں گے۔

المستفتی خادم میر مشتاق احمد۔ اردو ہال۔ اردو بازار۔ دہلی۔

(۳۶۴) **جواب**۔ مکرمی جناب میر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اوران کی اسلامی جماعت کے متعلق میں نے گمراہ ہونے اور اسلام میں ایک فتنہ ہونے کا بیان تو دیا ہے۔ کافر ہونے کا بیان ابھی تک نہیں دیا ہے۔ تاہم فتنہ قوی اور بہت اندیشہ ناک ہے۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ ۹؍جون سنہ ۴۶ء

سوال

مودودی صاحب کے زیر اثر جو جماعت اسلامی ہے اس میں شرکت کرنا ان سے تعلق رکھنا ان کی تصانیف پڑھنا کیسا ہے؟

(۳۶۵) **جواب**۔ مودودی جماعت کے افسر مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کو میں جانتا ہوں۔ وہ کسی معتبر اور معتمد علیہ عالم کے شاگرد اور فیض یافتہ نہیں ہیں۔ اگرچہ ان کی نظر اپنے مطالعہ کی وسعت کے لحاظ سے وسیع ہے۔ تاہم دینی رجحان ضعیف ہے۔ اجتہادی شان نمایاں ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کے مضامین میں بڑے بڑے علمائے اعلام بلکہ صحابہؓ کرام پر بھی اعتراضات ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنا چاہئے اور

ان سے میل جول ربط واتحاد نہ رکھنا چاہئے۔ ان کے مضامین بظاہر دلکش اور اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں ہی وہ باتیں دل میں بیٹھتی جاتی ہیں جو طبیعت کو آزاد کر دیتی ہیں اور بزرگان اسلام سے بدظن بنا دیتی ہیں۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ۔ دہلی۔

(کفایت المفتی، جلد اول، کتاب العقائد، ۳۲۷تا۳۲۸ ، مطبوعہ ۱۹۶۹ء)

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی کا فتوی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی نے اپنے فتوی میں لکھا ہے کہ مولانا مودودی کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ بنیادی عقائد و احکام میں اجتہاد کرتے ہیں جب کہ وہ اس کے اہل نہیں اور ان کی بہت سی باتیں جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں۔ نیز انھوں نے علمائے سلف خصوصاً حضرات صحابہ کو ہدف ملامت بنایا

ہے جو کہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے بالکل خلاف ہے۔ اب پورا سوال وجواب آپ خود ملاحظہ فرمائیں جو آپ کے مجموعۂ رسائل 'جواہر الفقہ' جلد اول میں از صفحہ ۳۸۷ تا ۳۹۲ شائع ہوا ہے:

۷

فتویٰ متعلقہ

جماعت اسلامی

تاریخ تالیف ______ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ (مطابق مارچ ۱۹۷۵ء)

مقام تالیف ______ کراچی

سوال

بگرامی خدمت حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گزارش آنکہ جیسا کہ حضرت والا کو معلوم ہے کہ احقر کو دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں افتاء کی خدمت انجام دینی پڑتی ہے، طرح طرح کے سوالات میں اکثر یہ سوال بھی آتا ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت جمہور اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر ہے یا نہیں؟ اور مذاہب اربعہ میں سے ان کا کس مذہب سے تعلق ہے، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کے رجحانات سلف صالحین کے خلاف ہیں۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟ بعض لوگ آپ کی کسی سابقہ تحریر کی بناء پر آپ کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ آپ ان کے نظریات سے اتفاق رکھتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے؟

والسلام

احقر محمد وجیہ

از

دار العلوم ٹنڈو الہ یار (سندھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے بارے میں میرے پاس سالہا سال سے سوالات آتے رہے ہیں، جن کے جواب میں اس وقت کے حالات اور ان کے بارے میں اپنی اس وقت کی معلومات کے مطابق لکھتا رہا ہوں، ان میں بعض تحریریں شائع بھی ہوئی ہیں، اور بعض نجی مکاتیب کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ اس وقت ان تمام تحریروں کو سامنے رکھنا ممکن نہیں، البتہ اس عرصہ میں احقر کو کچھ ان کی مزید تحریرات کے مطالعہ کا موقعہ ملا، کچھ ان کی نئی تالیفات سامنے آئیں، اور کچھ ان کے لٹریچر کے عام اثرات اور ان کی جماعت کے حالات کو مزید دیکھنے کا موقع ملا، اس مجموعہ سے اب ان کے بارے میں جو میری رائے ہے، وہ بے کم وکاست ذیل میں لکھ رہا ہوں:

میری سابقہ تحریرات اگر اس تازہ تحریر کے موافق ہوں تو فبہا، اور اگر سابقہ تحریرات میں کوئی چیز اس کے خلاف محسوس ہو، تو اسے منسوخ سمجھا جائے، اور اب میری رائے کے حوالہ کے لئے صرف ذیل کی تحریر پر اعتماد کیا جائے۔

احقر کے نزدیک مولانا مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں، خواہ ان کا اجتہاد جمہور علمائے سلف کے خلاف ہو، حالاں کہ احقر کے نزدیک منصب اجتہاد کے شرائط ان میں موجود نہیں۔ اس بنیادی غلطی کی بناء پر ان کے لٹریچر میں بہت سی باتیں غلط اور جمہور علمائے اہل سنت کے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تحریروں میں علمائے سلف یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کا جو انداز اختیار کیا ہے، وہ انتہائی غلط ہے خاص طور سے

''خلافت وملوکیت'' میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس طرح صرف تنقید ہی نہیں، بلکہ ملامت کا ہدف بھی بنایا گیا ہے، اور اس پر مختلف حلقوں کی طرف سے توجہ دلانے کے باوجود اصرار کی جو روش اختیار کی گئی ہے، وہ جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔

نیز ان کے عام لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بکثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلف صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا، اور ہمارے نزدیک یہ اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا حصار ہے۔ اس سے نکل جانے کے بعد پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ بھی انسان نہایت غلط اور گمراہ کن راستوں پر پڑ سکتا ہے۔ ہاں! یہ صحیح ہے کہ ان کو منکرین حدیث، قادیانیوں یا اباحیت پسند لوگوں کی صف میں کھڑا کرنا بھی میرے نزدیک درست نہیں۔ جنہوں نے سود، شراب، قمار اور اسلام کے کھلے محرمات کو حلال کرنے کے لئے قرآن وسنت میں تحریفات کی ہیں .... بلکہ ایسے لوگوں کی تردید میں ان کی تحریریں ایک خاص سطح تک کے نوتعلیم یافتہ حلقوں میں مؤثر اور مفید بھی ثابت ہوئی ہیں۔ یہ بات میں ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں، لیکن اگر کوئی شخص میری اس بات کو بنیاد بنا کر یہ کہے کہ میں مودودی صاحب کے ان نظریات سے متفق ہوں، جو انہوں نے جمہور علماء کے خلاف اختیار کئے ہیں، تو یہ بالکل غلط اور خلاف واقعہ بات ہے۔

اگرچہ جماعت کے قانون میں مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اصولاً جو بات مولانا مودودی صاحب کے بارے میں درست ہو، ضروری نہیں کہ وہ جماعت اسلامی کے بارے میں بھی درست ہو، لیکن عملی طور سے جماعت اسلامی نے مولانا مودودی صاحب کے لٹریچر کو نہ صرف جماعت کا علمی سرمایہ اور اپنے عمل کا محور بنایا ہوا ہے، بلکہ اس کی طرف سے زبانی اور تحریری مدافعت کا عام طرز عمل ہر جگہ مشاہدہ میں آتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت کے افراد بھی ان نظریات اور تحریر سے متفق ہیں۔ البتہ اگر کچھ مستثنیٰ حضرات ایسے ہوں، جو مذکورہ بالا

امور میں مولانا مودودی سے اختلاف رکھتے ہوں۔ اور جمہور علمائے اہل سنت کے مسلک کو اس کے مقابلے میں درست سمجھتے ہوں، تو ان پر اس رائے کا اطلاق نہیں ہوگا۔

نماز کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ امام اس شخص کو بنانا چاہئے، جو جمہور اہل سنت کے مسلک کا پابند ہوں۔ لہٰذا جو لوگ مودودی صاحب سے مذکورہ بالا امور میں متفق ہوں، انہیں باختیار خود امام بنانا درست نہیں۔ البتہ اگر کوئی نماز ان کے پیچھے پڑھ لی گئی، تو نماز ہوگئی۔

☆☆

یہ میری ذاتی رائے ہے، جو اپنی حد تک غور و فکر کے بعد فیما بینی و بین اللہ قائم کی ہے، میں کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی اور بے احتیاطی سے بھی اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، اور دین کے معاملہ میں مداہنت سے بھی۔ جن حضرات کو میری اس رائے سے اتفاق نہ ہو، وہ اپنے عمل کے مختار ہیں، مجھے ان سے کوئی مباحثہ کرنا نہیں، نہ میرے قویٰ اور مصروفیات اس کے متحمل ہیں۔ اگر کوئی صاحب ....اس کو شائع کرنا چاہیں، تو ان سے میری درخواست ہے کہ اس کو پورا شائع کریں، ادھورا یا کوئی ٹکڑا شائع کر کے خیانت کے مرتکب نہ ہوں۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان

بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

لٰہذا یہ بات مسلّم ہے کہ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے سلسلے میں علمائے دیوبند کا موقف بہت واضح ہے اور یہ کسی کی ذاتی اور شخصی رائے نہیں بلکہ علمائے دیوبند کا متفقہ موقف ہے۔

ص ۷۰۰: مشائخ کی فہرست

جناب ابوعکاشہ صاحب نے لکھا ہے کہ مشائخ کی فہرست میں حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی اور حضرت مولانا رفیع الدین عثمانی کا نام نہیں ہے۔(ص،۷۰۰)

صحیح بات تو یہ ہے یہ حضرات بھی احسان و تصوف کے مشائخ میں سے تھے اور ان کے علاوہ بھی مزید ایسے حضرات ہیں جن کا نام نامی اس فہرست میں دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ 'جامع و مختصر تاریخ' کے مرتب نے خود لکھا ہے کہ:

> "دارالعلوم دیوبند سے وابستہ جن ارباب احسان و سلوک نے ملک کے اطراف میں روحانی تربیت کے مراکز اور خانقاہیں قائم کرکے بے شمار لوگوں کی رہ نمائی فرمائی ان کی فہرست طویل ہے، یہاں کچھ خاص حضرات مشائخ کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے جن کے ہاتھ پر توبہ اور بیعت کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں رہی ہے۔"(جامع و مختصر تاریخ، ص ۳۱۸)

گو اس فہرست میں احاطہ نہیں کیا گیا ہے، لیکن پھر بھی ہمارا خیال ہے کہ ان حضرات کا نام اس فہرست میں ہونا چاہیے تھا، لیکن جناب ابوعکاشہ صاحب نے اس معاملہ کو بھی مدنی خاندان کی چاپلوسی سے جوڑتے ہوئے اپنے موقف کو کمزور کرلیا ہے اور ہر جگہ انھوں نے عثمانی بمقابلہ مدنی کا کارڈ کھیلا ہے۔

مشائخ کی فہرست اس سے پہلے ماہنامہ الرشید لاہور کے دارالعلوم نمبر مطبوعہ ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۲۵۵ پر بھی چھپی ہے، میں نے اس کو دوبارہ دیکھا، لیکن مجھے اس

فہرست میں بھی ان بزرگوں کا نام نہیں ملا۔ دارالعلوم وقف کی ویب سائٹ ([1]) پر علماء ومشائخ کی فہرست میں بھی ان حضرات کا نام نہیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ الرشید کے مرتب یا دارالعلوم وقف کو میں خیانت اور تعصب کا الزام دے ڈالوں۔

ص ۲۰۱ تا ۲۰۲: ہندی ترجمہ قرآن اور حضرت مولانا ارشد مدنی

جامع و مختصر تاریخ میں تراجم قرآن کی فہرست میں ایک ہندی ترجمہ کا ذکر کیا گیا ہے جس میں بہ طور مترجم حضرت مولانا سید ارشد مدنی اور جناب سلیمان صاحب کا نام ہے۔ اس پر جناب ابو عکاشہ صاحب کو اشکال ہے کہ یہاں مولانا کے نام کا اضافہ مدنی خاندان کی مرعوبیت کی وجہ سے کیا گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے جناب سلیمان صاحب ہندی کے اچھے جانکار شخص تھے، لیکن وہ عالم نہیں تھے اور دینی اصطلاحات خصوصاً تفسیر و ترجمہ قرآن جیسے نازک موضوع کی باریکیوں کے رمز شناس نہ تھے؛ اس لیے ضروری تھا کہ کوئی عالم ان کے کام کی توثیق کرتا۔ حضرت مولانا سید ارشد مدنی شاید ہندی لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں لیکن ہندی سمجھنا خوب جانتے ہوں گے اور توثیق و تصدیق کے لیے یہی کافی ہے۔ خود جمعیۃ علماء کی طرف سے شائع شدہ ترجمہ ہماری نظر سے گذرا ہے جس میں مولانا ارشد مدنی اور سلیمان صاحب کا نام بہ طور مترجم چھپا ہے۔

ص ۲۰۲: متعلقات قرآن اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی

جناب ابو عکاشہ صاحب لکھتے ہیں:

"متعلقات قرآن میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری مضامین کا ذکر ہی نہیں ہے جو انھوں نے ماہنامہ القاسم میں معارف القرآن

---

[1] https://dud.edu.in/index.php/en?id=18

کے نام سے لکھے ہیں اور مسلسل لکھے ہیں، یہاں بھی فاضل مرتب کا بغض عثمانی جگ ظاہر ہے۔'' (تاریخ کے قاتل، ص ۲۰۰۷)

'جامع و مختصر تاریخ' مرتب نے متعلقات قرآن پر لکھی جانے والی کچھ کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں، اب ان اوپر کیا فرض تھا کہ وہ خاندان عثمانی کے لکھے ہوئے مضامین کے سلسلے کو بھی اس میں درج کرتے۔ اگر انھوں نے اسے ذکر نہیں کیا تو یہ بغض عثمانی کی جگ ظاہر دلیل بن گئی۔ لاحول ولا قوۃ! تعصب و تنگ و نظری میں جناب ابوعکاشہ صاحب کہاں جا پہنچے؟

ص ۲۰۷ تا ۲۰۳: شراح حدیث میں مولانا عامر عثمانی کا نام نہیں

اس سے اگلی سطر میں جناب ابوعکاشہ صاحب پھر تنگ نظری کا طعنہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا عامر عثمانی کی صحیح بخاری و مسلم کی شرح کا ذکر شروح حدیث کی فہرست میں نہیں کیا ہے۔ پہلی شرح تفہیم الحدیث جو بخاری کی صرف کتاب الوحی کی شرح ہے اور صرف ماہنامہ تجلی میں چھپی ہے اور دوسری بھی تفہیم الحدیث کے نام سے صحیح مسلم کے کتاب الایمان کی شرح ہے۔ گویا دونوں ماہنامہ تجلی کا حدیث کا کالم ہے اور یہی وجہ ہے کہ دونوں کا عنوان ایک ہی ہے۔ جناب ابوعکاشہ صاحب کو رائی کا پہاڑ اور تل کا تاڑ بنانا خوب آتا ہے، لیکن علم و تحقیق کی دنیا میں یہ سب بچکانہ حرکتیں ہیں۔ اگر مولانا عامر صاحب کی چند ابواب کی یہ 'شرحیں' بڑی اہمیت کی حامل ہیں تو ان کا ذکر سید محبوب رضوی کی مرتبہ تاریخ دارالعلوم میں کیوں نہیں جس کی جلد اول کے صفحہ ۵۲۴ تا ۵۲۷ پر انھوں نے شروح حدیث کے نام لکھے ہیں۔ خود جناب ابوعکاشہ صاحب کے بقول وہ کامل و مکمل تاریخ ہے۔

واضح رہے کہ 'جامع و مختصر تاریخ' کے مقدمے اور کتاب میں بھی جگہ جگہ مرتب کتاب نے وضاحت کی ہے کہ شخصیات اور کتابوں کا احاطہ و استقصاء نہیں کیا گیا ہے۔ دیکھیں ص ۳۸۔

ص ۷۰۳: تفہیم المسلم کا نام شروح حدیث میں نہیں

جناب ابو عکاشہ صاحب نے لکھا ہے بغض عثمانی کے تحت مرتب جامع و مختصر تاریخ نے صحیح مسلم کی شروح کی فہرست میں تفہیم المسلم کا نام نہیں لکھا کیوں کہ اس کے شارح مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی اور مفتی کفیل الرحمن عثمانی ہیں۔ (تاریخ کے قاتل، ص ۷۰۳)

ہمیں بھی اس شرح کا علم نہیں تھا، ہم نے انٹرنیٹ پر سرچ کیا، بعض ویب سائٹ پر درس نظامی کی تمام مقبول و معروف شرحیں مل جاتی ہیں۔ لیکن اس کتاب کی فائلیں ہمیں بالکل بھی نہیں ملیں۔ ہاں مولانا زکریا اقبال کراچی کی شرح ضرور ملی۔

ظاہر ہے کہ جامع و مختصر تاریخ کے مرتب نے تمام شروح کا احاطہ نہیں کیا ہے اور انھوں نے اس کی ہر جگہ وضاحت بھی کر دی ہے۔ تو اتنی معمولی بات پر الزام تراشی بہت غیر معقول معلوم ہوتی ہے۔

ص ۷۰۳: بے ترتیبی کے الزام کی حقیقت

تاریخ کے قاتل کے مصنف کو شکایت ہے کہ کتابوں اور مشاہیر کے ناموں میں کوئی ترتیب نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بے سلیقگی سے یوں ہی نام لکھ دیے گئے ہیں۔

ہم نے جب کتابوں اور مشاہیر کی فہرست پر نظر ڈالی، ہمیں تو کوئی بے ترتیبی نظر نہیں آئی۔ کبھی بھی فہرست کو مختلف اعتبارات اور جہات سے بنایا جا سکتا ہے؛ مثلاً حروف تہجی کے اعتبار سے، شخصیات ہیں تو سن پیدائش یا سن وفات کے اعتبار سے، یا عہد کے اعتبار سے یا کوئی اور ترتیب۔ جامع و مختصر تاریخ میں کتابوں کی ترتیب الاہم فالاہم کے اعتبار سے نظر آئی اور شخصیات کی ترتیب عہد کے اعتبار سے نظر آئی۔ مگر یہ باریک فرق وہی سمجھ سکتا ہے جسے کچھ علم ہو۔

ص ۷۰۴: مفتیان میں مفتی عتیق الرحمن عثمانی کا نام نہیں

جناب ابو عکاشہ صاحب لکھتے ہیں:

"اب تک خاندان عثمانی سے بغض و عناد کے متعدد نمونے آپ ملاحظہ کر چکے ہیں جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ دیکھئے صفحہ ۳۵۸ پہ مفتی کفیل الرحمن نشاط عثمانی صاحب نام کے ساتھ عثمانی نہیں لکھا اور ستم دیکھئے مفتیان کرام کی فہرست میں پاکستان کے مفتی تقی عثمانی صاحب کا نام تو شامل ہے ؛لیکن دارالعلوم کے ایک جید اور بے باک مفتی حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی کا نام فاضل مرتب نے اس فہرست میں نہیں لکھا، کیا یہ بغض نہیں عناد نہیں؟" (تاریخ کے قاتل، ص ۷۰۴)

حیرت ہوتی ہے اس دیدہ دلیری پر۔ حضرت مفتی عتیق الرحمن بلاشبہ ایک عظیم عالم دین تھے، حضرت مفتی صاحب کے حالات و خدمات کو 'جامع و مختصر تاریخ' میں ۶۴۳ تا ۶۴۴ بیان کیا گیا ہے جس کا عکس ہم پچھلے صفحات میں پیش کر چکے ہیں، اس مضمون کی ابتدا اِن بھاری بھر کم الفاظ سے ہوتی ہے:

"دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز فاضل، باشعور سیاست داں اور مفکر و مدبر تھے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ کے خلف رشید اور ندوۃ المصنفین کے بانی تھے۔...... مفتی صاحب کا شمار ملک کے ممتاز اور بالغ نظر ارباب علم و فضل میں ہوتا تھا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۶۴۳ تا ۶۴۴)

جامع و مختصر تاریخ میں جن الفاظ کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کا تعارف پیش کیا گیا ہے صحیح معنوں میں اتنے جامع اور بھاری بھر کم الفاظ تاریخ دارالعلوم مرتبہ سید محبوب رضوی میں بھی نہیں ہیں۔ حضرت مفتی صاحب بہت بڑے عالم تھے لیکن وہ عملاً مفتی نہیں تھے اور نہ ہی فقہ و فتاوی کے سلسلے میں ان کی کوئی قابل ذکر خدمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم کی فقہی خدمات کے ذیل میں کوئی ان کا نام نہیں لکھتا۔

مثال کے طور پر آپ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی 'فقہ اسلامی: تدوین و تعارف' اور 'دارالعلوم دیوبند کی فقہی خدمات' وغیرہ دیکھ سکتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ اسی فہرست مرتب جامع و مختصر تاریخ نے دیوبند اور دارالعلوم کی ایسی شخصیات کے نام کا اضافہ کیا ہے جن کا نام عموماً نہیں لیا جاتا۔ جیسے قاضی مسعود احمد دیوبندی، مفتی جمیل احمد سیوہاروی، مفتی احمد علی سعید نگینوی، مفتی کفیل الرحمن نشاط غیرہ۔ ہمیں ان حضرات کا نام پہلی بار اس فہرست میں ملا ہے اور اس کتاب میں مفتیان دارالعلوم کی فہرست میں نائب مفتی کے طور خدمات انجام دینے والوں کے ناموں کا اضافہ کیا گیا ہے ورنہ پہلے صرف مفتیان کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ مفتی کفیل الرحمن نشاط کو صرف عثمانی نہ لکھنے پر انہیں ملال ہے، لیکن ان کے نام کا جو اضافہ ہے وہ نظر نہیں آیا۔ گو یہ بات الگ رہی کہ مفتی صاحب خود کو صرف کفیل الرحمن نشاط لکھتے تھے اور عثمانی کا لاحقہ عموماً نہیں لگاتے تھے۔

ص ۷۰۶ تا ۷۰۸: تجلی کا نام جرائد کی فہرست میں نہیں

جناب ابو عکاشہ صاحب نے لکھا ہے کہ فضلائے دیوبند کی صحافتی خدمات کے ذیل میں مولانا عامر عثمانی اور ان کے رسالہ تجلی کا ذکر نہیں ہے۔

یہ پڑھ کر ہمیں بھی حیرت ہوئی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ 'جامع و مختصر تاریخ' میں صحافت کے ذیل میں مولانا عامر عثمانی اور تجلی کا ذکر موجود نہیں ہے۔ ہمیں تجسس ہوا کہ آخر ایسا کیوں ہے، اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی؟ میں نے ماہنامہ الرشید ۱۹۷۶ء کا دارالعلوم نمبر اور ماہنامہ دارالعلوم ۱۹۹۴ء میں شائع شدہ فہرست صحافیان و اہم قلم دیکھی، مجھے وہاں بھی مولانا عامر عثمانی اور تجلی کا نام نہیں ملا۔ ان دونوں رسائل کا عکس آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

صحافی و اہلِ قلم

۱— مولانا سعید احمد ایم۔ اے (مدیر برہان، استاذ علیگڑھ یونیورسٹی)

۲— مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

۳— مولانا حامد الانصاری غازی (مدیر مدینہ بجنور)

۴— علامہ تاجور نجیب آبادی (ادبی دنیا) لاہور

۵— سید محمد ازہر شاہ قیصر مدیر دار العلوم

۶— مولانا مرزا احمد [illegible] (الجمعیۃ)

۷— مولانا عبد الوحید صدیقی (نئی دنیا دہلی)

۸— مولانا شائق عثمانی عصر جدید کلکتہ

۹— مولانا محمد تقی (مدیر البلاغ کراچی)

۱۰— مولانا مفتی عتیق الرحمٰن (ندوۃ المصنفین دہلی)

۱۱— مولانا محمد یوسف مدیر بینات کراچی

۱۲— مولانا سید عطاء المنعم بخاری ابن امیر شریعتؒ

۱۳— مدیران گرامی۔ القاسم، الرشید، قاسم العلوم، محمود، الخلیل

جرائد دار العلوم۔

دارالعلوم ۵۰ ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۹۳ء

صحافی واہل قلم

۱ : مولانا سید مناظر احسن گیلانی ــــــ ایڈیٹر ماہنامہ القاسم دارالعلوم دیوبند
۲ : مولانا منظور احمد نعمانی ــــــ " " الفرقان بریلی ولکھنو
۳ : مولانا سعید احمد اکبر آبادی ــــــ برہان دہلی
۴ :۔ مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی ــــــ آپ کی ادارت میں دسیوں رسائل جاری ہوئے
۵ : مولانا مظہر الدین بجنوری ــــــ روزنامہ الامان دہلی
۶ :۔ مولانا شائق عثمانی ــــــ عصر جدید کلکتہ
۷ : مولانا عامر عثمانی ــــــ ماہنامہ تجلی، دیوبند
۸ : مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی ــــــ الحرم میرٹھ
۹ : مولانا حبیب الرحمٰن بجنوری ــــــ منصور اور اکلیل ہفتہ وار
۱۰ :۔ مولانا عبد الوحید صدیقی ــــــ نئی دنیا
۱۱ : مولانا ازہر شاہ قیصر ــــــ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند (سابق ایڈیٹر)
۱۲ : مولانا حامد الانصاری غازی ــــــ مدینہ بجنور، اور جمہوریت دہلی
۱۳ : مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ ــــــ البلاغ کراچی۔
۱۴ : مولانا سمیع الحق ــــــ الحق اکوڑہ خٹک
۱۵ :۔ مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی ــــــ بینات، بنوری ٹاؤن کراچی
۱۶ :۔ مولانا عبد العلی ــــــ البدر کاکوری
۱۷ : مولانا محمد صادق علی بستوی ــــــ نقوش حیات، بستی
۱۸ : مولانا اسیر ادروی ــــــ ترجمان اسلام بنارس، سہ ماہی۔
۱۹ : مولانا اعجاز احمد اعظمی ــــــ المآثر مئو، سہ ماہی
۲۰ : مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری ــــــ ندائے شاہی مرادآباد
۲۱ : مولانا نور الحسن راشد ــــــ احوال و آثار مفتی الٰہی بخش اکاڈمی کاندھلہ
۲۲ : مولانا محمد ہاشم القاسمی ــــــ الفیصل، حیدرآباد
۲۳ : مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ــــــ بحث و نظر پٹنہ، سہ ماہی
۲۴ : مولانا رضوان القاسمی ــــــ صفا، جامعہ سبیل السلام حیدرآباد
۲۵ : حبیب الرحمٰن قاسمی ــــــ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند
۲۶ : مولانا کفیل احمد کیرانوی ــــــ آئینہ دارالعلوم، دیوبند (پندرہ روزہ)
۲۷ :۔ مولانا نور عالم امینی ــــــ الداعی (عربی)
۲۸ :۔ مولانا محمد سالم جامعی فاضل دیوبند ــــــ ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی

شاید مولانا عامر عثمانی کے فکری رجحانات اور تجلی کے دیوبند مخالف نظریات کی وجہ سے انہیں اس فہرست میں نہ شمار کیا جاتا رہا ہو۔ تاہم میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ صحافت اور اردو ادب کے ذیل میں مولانا عامر عثمانی اور تجلی کا نام آنا چاہئے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر ہم تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی پر نظر دوڑاتے ہیں تو کسی بھی زمرے میں ہمیں مولانا عامر عثمانی کا ذکر نہیں ملتا، حتیٰ کی جلد اول کے اخیر میں علمائے دیوبند کی اہم مصنفہ کتابوں کی فہرست دی گئی ہے لیکن اس میں بھی مولانا عامر عثمانی کی ایک کتاب کا ذکر بھی نہیں ہے۔ گویا کہ پوری تاریخ دارالعلوم میں ان کا نام تک نہیں ہے۔

ص۷۰۸ تا۷۰۹: جمعیۃ علمائے ہند اور جدوجہد آزادی

جامع و مختصر تاریخ میں درج بالا عنوان کے تحت ہندوستان کی جنگ آزادی میں جمعیۃ علمائے ہند کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے تین صفحات لکھے گئے ہیں جن میں نہایت مختصر طور پر اہم واقعات کو ذکر کیا گیا ہے۔ اب جناب ابو عکاشہ صاحب نے اس کو بھی عثمانی چشمے سے دیکھتے ہوئے معترض ہیں کہ اس میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا ذکر نہیں ہے جنھوں نے حضرت شیخ الہند کا خطبۂ صدارت پڑھا تھا اور مولانا حبیب الرحمن عثمانی کا ذکر نہیں جنھوں نے ایک اجلاس کی صدارت کی تھی۔ اس تبصرے کو انھوں نے درج ذیل عبارت پر ختم کیا ہے:

> "فخر الہند [مولانا حبیب الرحمن عثمانی] صاحب کا خطبۂ صدارت اتنا اہم اور فکر انگیز تھا کہ اس کو باقاعدہ کتابی شکل میں شائع کیا گیا جو آج بھی دارالعلوم کی لائبریری میں خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علمائے ہند دسمبر ۱۹۲۲ء کے نام سے موجود ہے۔ اس اجلاس میں ملک کے اہم ترین دانشوران و علماء کرام نے شرکت کی تھی؛ لیکن فاضل مرتب بغض عثمانی میں اس درجہ مبتلا ہیں کہ انھوں نے اجلاس کا ذکر ہی نہیں کیا۔ اگر ذکر کرتے تو اجلاس کے صدر کا نام بھی تحریر کرنا پڑتا اور کسی پروگرام کی صدارت اگر دیوبند کے عثمانی خاندان کا فرد کر رہا ہو تو اس کا ذکر فاضل

مرتب کیسے کرسکتے ہیں کہ اندھیرے کبھی چراغوں کا ذکر نہیں کرتے۔“
تاریخ کے قاتل، ص۷۰۹)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جامع و مختصر تاریخ کوئی عثمانی خاندان کی تاریخ ہو جس میں اس خاندان کے ہر فرد سے متعلق ہر اہم و غیر اہم اور متعلق و غیر متعلق بات ذکر کی جائے۔ جامع و مختصر تاریخ کے مرتب کو عثمانی خاندان سے کتنا 'بغض' ہے، آئندہ مختصراً اس کا جائزہ لیا جائے گا۔ دوسری طرف اسی کتاب میں جمعیۃ علماء اور جنگ آزادی کی تفصیلات کے ذیل میں مولانا عتیق الرحمن عثمانی کی ڈانڈی مارچ میں شرکت کا ذکر موجود ہے، لیکن جناب ابو عکاشہ صاحب ڈنڈی مار گئے اور اس عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

ص۷۰۹ تا ۷۱۲: جمعیۃ علمائے ہند اور تقسیم ہندوستان کی مخالفت

جناب ابو عکاشہ صاحب کو جامع و مختصر تاریخ کے ذیل ذیل اختتامی پیراگراف پر اشکال ہے:

”دوسری طرف علماء نے تقسیمِ ہندوستان اور نظریہ پاکستان کی زبردست مخالفت کی، حالانکہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوپائے۔ اور انگریز اپنی تفرقہ انگیزی کی سیاست میں کامیاب ہوئے۔ لیکن علماء متحدہ قومیت کی حمایت کا سب سے اہم فائدہ یہ ہوا کہ ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ملک بنا اور اس کے دستور نے ہندوستانی مسلمانوں کو برابر کا حق دیا خدانہ خواستہ اگر ملک کا سیاسی ڈھانچہ غیر سیکولر اور غیر جمہوری ہوتا تو مسلمانوں کا اس ملک میں کیا حال ہوتا، اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ہندوستان کے آئین میں مسلمانوں کو باعزت برابری کا حق انھیں علماء کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ جنھوں نے ہر طرح کی فرقہ واریت اور مذہبی لکیروں سے ہٹ کر اس کثیر المذاہب اور متنوع الثقافہ ملک کے لیے سیکولر آئین بنوایا تاکہ یہاں ہر مذہبی طبقہ اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ قائم رہ سکے۔ اور اپنے مذہب کی بقا و اشاعت کے لیے خود مختار ادارے قائم کر سکے۔“ (دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ صفحہ نمبر ۳۸۸)

انھوں نے اس کو جھوٹ قرار دیا ہے اور نظریۂ پاکستان کی حمایت کرنے والے کچھ علماء کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے الزام دیا ہے کہ مرتب جامع و مختصر تاریخ اس درجہ ڈھٹائی سے جھوٹ بول رہے ہیں کہ شیطان شرما جائے۔ (ص ۷۱۰)

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تقسیم کے مسئلہ میں جمعیۃ علماء کا موقف بالکل واضح ہے اور اس کے مقابلے میں علماء کا ایک چھوٹا طبقہ تھا جو اس موقف سے متفق نہیں تھا۔ جمعیۃ علماء کے ساتھ ملک کے علماء کی غالب اکثریت تھی۔ اور ظاہر ہے کہ جمعیۃ علماء کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس پہلو کو کوئی کیسے نظر انداز کر سکتا ہے؟ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی قابل تعریف امر کا تعلق عثمانی خانوادہ سے نہ ہو تو وہ ابوعکاشہ صاحب کو منظور نہیں اور وہ اس کے خلاف ہرزہ سرائی پر اتر آتے ہیں۔

ص ۷۱۲ تا ۷۱۵: مفتی عتیق الرحمن عثمانی اور جمعیۃ علمائے ہند

جناب ابوعکاشہ صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۷۱۲ پر لکھتے ہیں:

<u>ایک اور خیانت</u>

> صفحہ نمبر ۳۸۹ پہ "جمعیۃ علماء ہند اور اس کی ملی و سماجی خدمات" کا عنوان دے کر فاضل مرتب نے جمعیۃ کے صدرین کا ذکر کیا ہے اور یہاں بھی ان صاحب نے بغض و خیانت کی سابقہ روش کو باقی رکھتے ہوئے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب کا نام نہیں لکھا۔ حالانکہ مولوی اسعد مدنی صاحب کے قبضہ کرنے سے پہلے یعنی ۱۹۶۵ تک مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی بھی جمعیۃ علماء ہند کے ورکنگ صدر تھے۔
>
> روئیے زار زار کیا کیجئے ہائے ہائے کیوں؟

جامع و مختصر تاریخ میں علمائے دیوبند کی ملی و سماجی خدمات کے عنوان کے تحت ایک پیراگراف اس طرح ہے:

جمعیۃ علمائے ہند، آزاد ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں کی سب سے قدیم اور بڑی تنظیم ہے جس نے مسلمانوں کے جان و مال اور دین و مذہب کے تحفظ، فرقہ واریت کی مخالفت، تعلیم اور ریلیف و باز آبادکاری کے میدانوں میں عظیم الشان اور قابل فخر خدمات انجام دی ہیں۔ جمعیۃ علماء کے اکثر مرکزی صدور اور صوبہ جات و اضلاع کے صدور و ذمہ داران دارالعلوم دیوبند کے اکابر وعلماء رہے ہیں جن میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ، حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ وغیرہ جیسی شخصیات شامل ہیں۔

انھوں نے یہ نہیں لکھا کہ مفتی عتیق الرحمن عثمانی محض دو سال کے لیے ورکنگ صدر تھے اور ان کی موجودگی میں حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادی مستقل صدر تھے اور تاحیات رہے۔ اس فہرست میں مولانا عتیق الرحمن عثمانی کے ذکر کا کیا تُک بنتا ہے؟ جمعیۃ کی مشہور اور طویل الخدمت شخصیات جو دارالعلوم سے بھی وابستہ رہی ہیں ان میں جن حضرات کو ذکر کیا گیا وہ نمایاں ہیں۔

اس کے بعد بھی چند صفحات تک جناب ابو عکاشہ صاحب نے اپنی سطحی اور مبنی بر تعصب سوچ کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت بچکانہ اشکالات کیے ہیں اور جامع و مختصر تاریخ کے مرتب پر خیانت اور جھوٹ کے سنگین الزامات لگائے ہیں۔ ان الزامات کی حقیقت محض معمولی غور و فکر سے واضح ہو جاتی ہے۔

ص۱۶۷: زبیر افضل عثمانی اور فہرست شعراء

جناب ابو عکاشہ صاحب نے متعدد مواقع پر لکھا ہے کہ 'زبیر افضل عثمانی' ایک زود گو اور بہترین شاعر تھے، دارالعلوم کے ممتاز فاضلین میں تھے، فاضل مرتب نے ان کی نظم تو شائع کی لیکن 'علمائے دیوبند کی اردو شاعری' میں ان کا نام ذکر نہیں کیا۔ اس وجہ سے مرتب کا بغض عثمانی میں شدت کے ساتھ مبتلا ہونا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ (تاریخ کے قاتل، ص۱۶۷)

ہمیں تو تاریخ کے قاتل کے ذریعہ ہی معلوم ہوا کہ زبیر افضل عثمانی عظیم شاعر اور فاضل دیوبند تھے، مگر حیرت ہے کہ متعدد جگہوں پر خود تاریخ کے قاتل کے

مصنف نے ان کا نام بلا 'مولانا' کے ہی لکھا ہے، اس پر بھی ان کا دعوی ہے کہ وہ دارالعلوم کے 'ممتاز فاضلین' میں تھے۔ اگر وہ ممتاز فاضل دیوبند، بہترین شاعر تھے تو کم از کم دیوبند شہر کی تاریخ پر لکھی جانے والی کتابوں میں ان کا نام ہونا چاہیے تھا، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ 'تاریخ دیوبند' مرتبہ سید محبوب رضوی، 'دارالعلوم اور دیوبند کی عظیم شخصیات 'مرتبہ مولانا خورشید حسن قاسمی، مولانا عبید اقبال عاصم دیوبندی کی کتاب 'دیوبند: تہذیب و تاریخ کے آئینے میں' وغیرہ میں ہمیں ان کا کوئی ذکر نہیں ملا۔ تو کیا اگر کسی غیر معروف شخصیت کا نام نہیں آیا تو یہ بغض عثمانی ہو گیا؟ استغفر اللہ!

ص۱۶ےتا۱۸ے : شخصیات کے ناموں کی ترتیب پر اعتراض

آٹھویں باب پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ابوعکاشہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہی باب کتاب میں سب سے زیادہ اصلاح طلب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شخصیات کے ذکر میں ترتیب صحیح نہیں ہے اور اس میں بغض و عناد سے کام لیا گیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ آٹھویں باب کے پہلے صفحہ سے ہی جامع و مختصر تاریخ کے مرتب کا بغض اور تعصب ظاہر ہوتا ہے۔

ان کا اصرار ہے کہ شخصیات کو یا تو تاریخ پیدائش کی ترتیب پر ذکر کیا جائے یا حروف تہجی کی ترتیب پر۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا نام اول نمبر پر لکھنے کے بجائے تیسرے نمبر پر تحریر کیا ہے۔ (تاریخ کے قاتل، ص۱۸ے)

جناب ابوعکاشہ صاحب کو یہ سب لکھنے سے پہلے تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی کو دیکھنا چاہیے تھا، اس میں نہ تاریخ پیدائش کی ترتیب کا لحاظ ہے اور نہ حروف تہجی کی ترتیب کا۔ جلد دوم میں مشاہیر کی پوری فہرست دیکھ لیجئے اور پھر بتائیے کہ اس میں ان دونوں میں سے کون سی ترتیب رکھی گئی ہے؟ اسی طرح جلد اول میں بانی حضرات کے احوال مذکور ہیں، اس میں کون سی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے؟

تاریخ دارالعلوم دیوبند اور جامع و مختصر تاریخ کی ترتیب میں ہمیں کوئی خرابی نظر نہیں آتی بلکہ یہ ترتیب عہد اور عہدہ پر مبنی شاندار اور منطقی ترتیب ہے۔ حروف تہجی یا سن پیدائش کی ترتیب بعض مواقع پر محض سہولت کے لیے رکھی جاتی ہے؛ لیکن دارالعلوم جیسی تاریخ میں عہد اور عہدہ پر مبنی ترتیب ضروری ہے تاکہ قاری کو شخصیت کے عہد اور عہدہ کی فہم بھی ہو سکے۔ حروف تہجی یا سن پیدائش کی ترتیب کی صورت میں درجہ اور عہدہ کا بالکل اندازہ نہیں ہو سکے گا، مثلاً حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے حضرت نانوتوی کا نام آٹھویں نمبر پر آرہا ہے اور سن پیدائش کی ترتیب سے ان کا نام تیسرے نمبر ہے:

ترتیب باعتبار حروف تہجی	ترتیب باعتبار سن پیدائش	سن پیدائش
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۲۴۲ھ
حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندی	حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی	۱۲۴۷ھ
حضرت مولانا سید احمد دہلوی	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	۱۲۴۸ھ
حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی	حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی	۱۲۴۹ھ
حضرت مولانا عبد الرحیم رائپوری	حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی	۱۲۵۰ھ
حضرت حاجی فضل حق دیوبندی	حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندی	۱۲۵۲ھ
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی	۱۲۶۸ھ
حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی	حضرت مولانا عبد الرحیم رائپوری	۱۲۷۲ھ
حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی	حضرت حاجی فضل حق دیوبندی	نامعلوم
حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی	حضرت مولانا سید احمد دہلوی	نامعلوم

اس سے بالکل ظاہر ہے کہ دارالعلوم سے متعلق شخصیات کے بیان میں حروف تہجی اور سن پیدائش دونوں کی ترتیب انتہائی نامعقول ہوگی۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ جامع و مختصر تاریخ کے آٹھویں باب کے پہلے صفحہ میں کون سی بات مبنی بر بغض و تعصب ہے اور اس میں کتنی بے ترتیبی ہے

دوراول کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات

دوراول کے علماء واکابر دارالعلوم

	علماء واکابر	عہدہ
۱	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ	بانی وسرپرست
۲	حضرت حاجی سید عابد حسین دیوبندیؒ	بانی ومہتمم
۳	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	سرپرست
۴	حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۵	حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ	مہتمم دارالعلوم
۶	حضرت حاجی سید فضل حق صاحبؒ	مہتمم دارالعلوم، یکے از بانیان
۷	حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ	مہتمم دارالعلوم
۸	حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۹	شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ	سرپرست وشیخ الحدیث وصدر مدرس
۱۰	حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ	سرپرست

یہ ترتیب دارالعلوم سے تعلق کے زمانہ اور عہدہ کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ حضرت نانوتوی بانی اور سرپرست ہیں اس لئے پہلے نمبر پر ہیں۔ حضرت حاجی صاحب بانی ہونے کے ساتھ مہتمم اول ہیں اس لئے دوسرے نمبر پر ہیں۔ حضرت گنگوہی کی سرپرستی کا زمانہ حضرت نانوتوی کے بعد شروع ہوتا ہے یہی حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی صدر مدرسی کا زمانہ ہے، چنانچہ حضرت گنگوہی کو پہلے اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کو بعد میں رکھا گیا ہے۔ پھر تین حضرات بالترتیب مہتمم ہوئے ہیں ان کا ذکر ہے۔ ان مہتمم حضرات کے بعد حضرت مولانا سید احمد صاحب کا نام ہے جو

۱۳۰۲ھ میں صدر مدرس ہوئے ہیں۔ اُن کے بعد حضرت شیخ الہند صدر مدرس ہوئے ہیں، تو اُن کا نام ہے۔ حضرت شیخ الہند کے ۱۳۳۳ھ میں حجاز چلے جانے کے بعد حضرت رائے پوری دارالعلوم کے سرپرست ہوئے تو اُن کا ذکر ہے۔

یہ پوری ترتیب دو بنیادوں پر قائم ہے: اول ان شخصیات کا دارالعلوم میں منصب و عہدہ اور دوم اس عہدہ و منصب کا زمانہ اور عہد۔ اگر ایک ہی عہد میں دو شخصیات آئیں تو بڑے عہدہ والے کو پہلے اور اس کے بعد عہدے والے کو اس کے بعد جگہ دی گئی ہے۔ صحیح معنوں میں یہ بہترین منطقی ترتیب ہے اور حسن ترتیب کی شاندار مثال ہے جسے جناب ابوعکاشہ صاحب بے بصیرتی کی بنیاد پر بدترتیبی اور بغض و تعصب پر مبنی ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب نے دارالعلوم کے اکابر کی ترتیب کا ذکر اپنی کتاب 'دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی' ص ۹۳ میں کیا ہے جس کا عکس پیش خدمت ہے:

دارالعلوم کے اعلیٰ عہدے دار

دارالعلوم میں اعلیٰ ذمہ دارانہ عہدے صرف چار ہی رہے۔

(۱) سرپرستی

(۲) اہتمام

(۳) صدارت تدریس

(۴) افتاء

ان چاروں عہدوں کے لئے ہمیشہ ایسی ممتاز شخصیتوں کا انتخاب عمل میں آتا رہا جو اہل اللہ اہل دین و اہل تقویٰ اور جامع شریعت و طریقت ہوں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جامع و مختصر تاریخ میں اکابر و مشائخ کو ان کے عہد کا لحاظ کرتے ہوئے اسی ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے۔

ص۱۸۷ تا ۱۹۷ : دور اول کے علماء کی فہرست پر دوسرا اعتراض

دور اول کے علماء واکابر کی درج بالا فہرست پر ایک دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس میں صرف دس شخصیات کا نام ہے، اور تین عثمانی علماء کا نام چھوڑ دیا گیا ہے یعنی مولانا فضل الرحمن عثمانی، مولانا مہتاب علی عثمانی اور مولانا ذوالفقار علی عثمانی۔ (ص۱۸۷)

درج بالا فہرست میں معمولی غور سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں ان حضرات کو شامل کیا گیا ہے جن کا تعلق دارالعلوم کی سرپرستی، اہتمام، صدر مدرسی سے رہا ہے۔ جن حضرات کے نام اس فہرست میں شامل نہیں ہے وہ حضرات دارالعلوم کی تاسیس میں تو شریک ہیں، لیکن ان کی حیثیت اراکین شوریٰ کی رہی ہے، جب کہ مذکورہ بالا حضرات دارالعلوم میں عہدہ دار رہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ چاروں ابواب میں اسی ترتیب کو برقرار رکھا گیا ہے، اراکین شوریٰ کا ذکر مشاہیر شخصیات کے ذیل میں آیا ہے۔

مگر یہ بات قابل ذکر ہے کہ جناب ابوعکاشہ صاحب کو صرف تین عثمانی علماء کا نام آنے کا ہی شکوہ ہے، اس ذیل میں انھوں نے شیخ نہال احمد صاحب کا نام نہیں لیا، حالاں کہ وہ بھی دارالعلوم کے تاسیسی رکن تھے۔ شاید وہ عثمانی نہیں ہیں اس لیے جناب ابوعکاشہ صاحب نے ان کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔

جامع ومختصر تاریخ کے مرتب نے ان حضرات کا ذکر مشاہیر کے ذیل میں بالکل ابتدا میں شامل کیا ہے اور ان کے ساتھ شیخ نہال احمد دیوبندی کے بھی احوال دیے ہیں۔ جامع ومختصر تاریخ کے مرتب کو جناب ابوعکاشہ صاحب اپنی من پسند جگہ پر عثمانی علماء کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے نہایت سطحی الفاظ سے مطعون کرتے ہیں، لیکن وہ سید محبوب رضوی صاحب کی تاریخ دارالعلوم دیوبند کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس میں حضرت مولانا مہتاب علی دیوبندی، حضرت شیخ نہال احمد، حضرت ملا محمود وغیرہ کے احوال کیوں نہیں لکھے گئے ہیں۔

نیز وہ حضرت قاری محمد طیب صاحب کی کتاب 'دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی' اٹھاکر دیکھ لیں۔ اس کتاب میں درج بالا عثمانی علماء ومشائخ کا ذکر نہ مشاہیر میں ہے اور نہ اسلاف میں ہے۔ حتی کہ مولانا فضل الرحمن عثمانی کا ذکر صرف ایک جگہ بنائے دارالعلوم کے ذیل میں بر سبیل تذکرہ آیا ہے اور دوسری جگہ فہرست اراکین مجلس شوری میں ہے۔ دارالعلوم کے اسلاف اور اعلی عہدہ داران کا ذکر اس کتاب میں مستقل عنوان کے تحت کیا گیا ہے، لیکن اس ذیل میں حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی کا نام کہیں بھی نہیں ہے۔

یہاں تاریخ کے قاتل کے مصنف صاحب کی زبان حق بیان کیوں خاموش ہے؟ کیا سارے الٹے سیدھے الزامات اور اتہامات صرف ایک غریب جامع ومختصر تاریخ کے مرتب کو دینے کا ڈھنگ ہے۔ اگر آنکھوں میں حیاوغیرت کا پانی بچا ہے اور مزاج میں انصاف کی رمق باقی ہے تو قلم اٹھا کر دکھائیں؟ جامع ومختصر تاریخ میں عثمانی علماء و مشائخ کا ذکر جتنا زیادہ ہے اتنا تاریخ دارالعلوم وغیرہ میں بھی نہیں ہے۔

ص ۱۹ ۷ تا ۲۲ ۷ : دور ثانی کے علماء کی فہرست پر اعتراض

دور ثانی کی شخصیات کی فہرست پر اعتراض کرتے ہوئے ص ۷۱۹ پر جناب ابوعکاشہ صاحب لکھتے ہیں:

صفحہ نمبر ۷۴۷ پر دَورِثانی کے علماء کی فہرست پیش کی گئی ہے اور کیا غضب انداز سے یہ فہرست ترتیب دی ہے ماشاءاللہ ۹/افراد پر مشتمل اس فہرست کی ترتیب اس درجہ واہیات ہے کہ فہرست دیکھ کر سر چکرا گیا اور بےساختہ دل سے یہ صدا آئی: اے خدایہ کیسے کیسے اجہل مطلق تاریخ مرتب کرنے لگ گئے۔ جنھیں اتنا بھی شعور نہیں ہے کہ شخصیات کی فہرست کس طرح مرتب کرنی چاہیے؟

ہائے رے بدنصیبی! ایسے لوگوں کی واہیات کتابیں دیکھنے کے لیے ہی ہمیں زندہ رہنا تھا! قارئین! بلاشبہ ہمارے جملے سخت ہیں ہمارے طنز نکیلے ہیں؛ لیکن جس شخص میں بھی ذرا سا شعور وسلیقہ اور حسنِ ترتیب کا فہم ہوگا وہ اس فہرست کو دیکھ کر اسی طرح جھنجھلائے گا جیسے ہم۔

آپ بھی سوچتے ہوں کہ کون سی ایسی غلطی ہے جسے دیکھ کر موصوف کا سر چکرا گیا، آیئے ہم آپ کو وہ فہرست ان شاء اللہ اس یقین کے ساتھ دکھاتے ہیں کہ آپ کا سر نہیں چکرائے گا:

دور ثانی کے علماء و اکابر دار العلوم کے حالات

دور ثانی کے علماء و اکابر دار العلوم

	علماء و اکابر	عہدہ
۱	حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ	مہتمم دار العلوم
۲	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی	مہتمم دار العلوم
۳	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	سرپرست دار العلوم
۴	حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ	صدر المدرسین و شیخ الحدیث
۵	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	صدر المدرسین و شیخ الحدیث
۶	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی	صدر مہتمم
۷	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ	صدر مفتی
۸	حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ	صدر مفتی
۹	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	صدر مفتی

یہ اس عہد کے عہدہ داران کی فہرست ہے۔ آپ دیکھیں کہ پہلے مہتمم حضرات کا ذکر ہے۔ پھر حضرت تھانوی کا ذکر ہے جو انہیں حضرات مہتممین کے عہد میں کچھ مدت کے لیے سرپرست ہوئے۔ پھر صدر المدرسین حضرات کا ذکر ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا ذکر صدر مہتمم ہونے کی حیثیت سے ہے جو حضرت قاری صاحب کے زمانے کی بات ہے۔ اس کے بعد صدر مفتیان حضرات کا ترتیب زمانی سے ذکر ہے۔ اس ترتیب میں درد سری والی کیا چیز ہے؟

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ جناب ابوعکاشہ صاحب نے ص ۲۰۷ پر اس ترتیب کی اصلاح یوں فرمائی ہے:

ترتیب کے ساتھ صحیح ڈھنگ سے یہ فہرست اس طرح ہونی چاہیے تھی

۱-حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ ۱۸۵۸ء (صدر مفتی)

۲-حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ۱۸۶۱ء (مہتمم دارالعلوم)

۳-حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ۱۸۶۲ء (مہتمم دارالعلوم)

۴-حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۱۸۶۳ء (سرپرست دارالعلوم)

۵-حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ۱۸۷۵ء (صدر المدرسین و شیخ الحدیث)

۶-حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ۱۸۷۹ء (صدر المدرسین و شیخ الحدیث)

۷-حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ ۱۸۸۲ء (صدر مفتی)

۸-حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ۱۸۸۷ء (صدر مہتمم)

۹-حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی صاحبؒ ۱۸۸۷ء (صدر المدرسین)

۱۰-حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۱۸۹۶ء (صدر مفتی)

یعنی تاریخ پیدائش کی ترتیب قائم فرمائی ہے اور اسی وجہ سے اس ذیل میں حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی کو بھی شامل کیا ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ دارالعلوم کی تاریخ میں عہد اور عہدہ پر مبنی ترتیب سب سے بہتر ترتیب ہے اور دارالعلوم سے شائع ہونے والی کتابوں اور کتابچوں میں عموماً عہد کی ترتیب ہی قائم رکھی گئی ہے۔

ص ۲۲۷: دارالعلوم کے چار ادوار کی بنیاد کیا ہے؟

جناب ابو عکاشہ صاحب اس امر میں سر گرداں ہیں کہ دارالعلوم کے جو چار ادوار جامع و مختصر تاریخ کے مرتب نے بنائے ہیں وہ کس بنیاد پر ہیں؟ جب کہ جامع و مختصر تاریخ دیکھنے سے بالکل واضح ہے کہ ان ادوار کی بنیاد کیا ہے؟ دیکھیں جامع و مختصر تاریخ، ص ۶۰:

دارالعلوم دیو بند کا پہلا دور

۱۲۸۳-۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۶۶-۱۸۹۵ء

تیس سال

دورِ اہتمام

(۱) حضرت حاجی عابد حسین صاحب دیوبندیؒ ۱۰ر سال (مجموعی)

پہلی بار: محرم ۱۲۸۳-رجب ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۶-۱۸۶۷ء

دوسری بار: ۱۲۸۶-۱۲۸۸ھ/ ۱۸۶۹-۱۸۷۱ء

تیسری بار: ربیع الاول ۱۳۰۶-شعبان ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۸۸-۱۸۹۳ء

(۲) حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندیؒ ۱۹ر سال (مجموعی)

پہلی بار: شعبان ۱۲۸۴-۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۷-۱۸۶۹ء

دوسری بار: ذوالقعدہ ۱۲۸۸-ربیع الاول ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۷۲-۱۸۸۸ء

(۳) حضرت حاجی فضل حق صاحب دیوبندیؒ ایک سال

شعبان ۱۳۱۰-ذوالقعدہ ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳-۱۸۹۴ء

(۴) حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ ڈیڑھ سال

ذوالحجہ ۱۳۱۱-جمادی الاولی ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۴-۱۸۹۵ء

دارالعلوم دیوبند کے ادوار کی تقسیم دور اہتمام کی بنیاد پر ہے اور ہر دور کی ابتدا میں مہتمم حضرات کا نام دیا گیا ہے۔ اب اس میں کنفیوژن کیسا؟

اس کے بعد صفحہ ۲۷ پر دوسرے دور کا عنوان حسب ذیل ہے جو حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے دور اہتمام سے شروع ہوتا ہے اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی پر ختم ہوتا ہے:

دارالعلوم دیوبند کا دوسرا دور

۱۳۱۳-۱۳۴۸ھ مطابق ۱۸۹۵-۱۹۳۰ء

چھتیس سال

دور اہتمام

(۱) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ۳۴ سال
جمادی الثانیہ ۱۳۱۳- جمادی الاولی ۱۳۴۷ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۲۸ء

(۲) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ سوا سال
جمادی الثانیہ ۱۳۴۷- رجب ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء

تیسرا دور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے دور اہتمام پر مشتمل ہے اور نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا تیسرا دور

۱۳۴۸-۱۴۰۱ھ/ ۱۹۳۰-۱۹۸۱ھ

باون سال

دور اہتمام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
۱۳۴۸-۱۴۰۱ھ/ ۱۹۳۰-۱۹۸۱ھ (کل مدت ۵۲ سال)

جب کہ چوتھا اور موجودہ دور حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری کے دور اہتمام سے شروع ہو کر اب تک جاری ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا موجودہ دور

۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء-۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

بتیس سال

دور اہتمام

(۱) حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ تیس سال
۱۴۰۲-۱۴۳۲ھ/۱۹۸۲-۲۰۱۰ء

(۱) حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش، بہ حیثیت کارگزار مہتمم
۱۴۲۴-۱۴۳۱ھ/۲۰۰۴-۲۰۰۹ء

(۳) حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب سات ماہ
صفر ۱۴۳۲-شعبان ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱-۲۰۱۱ء

(۴) حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب جاری
شعبان ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء (جاری)

ایک مؤرخ کو تاریخ بیان کرنے کے لیے اس طرح کی تقسیم کی ضرورت پڑتی ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں کہ اس کے لیے کوئی بنیاد بنالی جائے۔ کوئی بھی بنیاد بنائی جائے اس میں کسی حد تک قیل وقال کی گنجائش رہتی ہے۔ جہاں تک ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ دور اہتمام پر ادوار کی تقسیم قابل قبول اور منطقی ہے؛ کیوں کہ سب سے پہلا عہد بانیان کرام کا ہے جو دارالعلوم کا بالکل ابتدائی عہد ہے۔ ان حضرات کے بعد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمن کا عہد قدرے طویل بھی ہے اور تعلیمی و تعمیری ترقی کے لحاظ سے پچھلے دور سے مختلف بھی ہے؛ اس لئے اس کو بجا طور پر دوسرا دور کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب کا دور اہتمام ہے جو نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط رہا اور اس دور میں دارالعلوم کو نمایاں ترقی ملی، نیز دارالعلوم کا شہرہ دور دور تک پہنچا۔ چناں چہ صحیح معنوں میں یہ ایک مکمل عہد تھا جو ۱۹۸۲ء پر ختم ہوا۔ ۱۹۸۲ء کے بعد جو دور چل رہا

ہے اس میں بھی دارالعلوم مسلسل سرگرم ترقی ہے اور اس کی شہرت و عظمت کے چرچے افریقہ اور یورپ و امریکہ تک جا پہنچے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ چوتھا اور موجودہ دور ہے۔

لیکن جس شد و مد کے ساتھ اس ترتیب کو جناب ابو عکاشہ صاحب نے رد فرمایا ہے وہ بالکل سمجھ سے باہر ہے۔ مزید بر آں انھوں نے جو متبادل ترتیب پیش کی ہے وہ اس کے مقابلے میں نہایت بودی اور غیر منطقی ہے، وہ تاریخ کے قاتل کے صفحہ ۲۲۷ پر فرماتے ہیں:

اصل ترتیب یوں ہونی چاہیے تھی:
دَورِ اوّل کو بانیان دارالعلوم اور حضرت رشید احمد گنگوہی و دیگر ہم عصر علماء کے ساتھ حضرت شیخ الہند وان کے درس تک محدود کرنا تھا۔
دَورِ ثانی میں شیخ الہند کے تلامذہ اور سن ۱۹۰۰ء تک پیدا ہونے والے علماء دیوبند کی فہرست بنانی تھی۔
دَورِ ثالث میں ۱۹۰۱ء سے لے کر ۱۹۵۰ تک پیدا ہونے والے علماء کرام کو شمار کیا جاتا۔

عجیب بات ہے کہ جناب ابو عکاشہ صاحب متبادل ایسی ترتیب پیش کر رہے ہیں جو کسی طرح بھی معقول نہیں ہے۔

ص ۲۲۷ تا ۷۳۱: علماء و اکابر دارالعلوم کی فہرست

جامع و مختصر تاریخ میں ہر دور کے اکابر دارالعلوم کے احوال کو الگ ذکر کیا گیا ہے اور پھر آخر میں دیگر مشاہیر علماء و مشائخ کے احوال ذکر کیے گئے ہیں۔ ادوار کے ذیل میں جن شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے وہ بالکل ظاہر ہے کہ دارالعلوم کے چار اہم ترین عہدوں (یعنی سرپرستی، اہتمام، صدارت تدریس یا مشیخت حدیث اور صدارت افتاء) کی حامل شخصیات کو ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً دور اول میں جن اکابر کو ذکر کیا گیا ہے ان کے نام کے سامنے ان کا عہدہ بھی ذکر کیا گیا ہے، جو اس بات کی اشارہ ہے کہ ان کا نام اس فہرست میں کیوں شامل ہے۔

دوراول کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات

دوراول کے علماء واکابر دارالعلوم

	علماء واکابر	عہدہ
۱	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ	بانی وسرپرست
۲	حضرت حاجی سید عابد حسین دیوبندیؒ	بانی ومہتمم
۳	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	سرپرست
۴	حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۵	حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ	مہتمم دارالعلوم
۶	حضرت حاجی سید فضل حق صاحبؒ	مہتمم دارالعلوم، یکے از بانیان
۷	حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ	مہتمم دارالعلوم
۸	حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۹	شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ	سرپرست وشیخ الحدیث وصدر مدرس
۱۰	حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ	سرپرست

حضرت قاری محمد طیب صاحب کی مذکورہ بالا کتاب میں یہی ترتیب قائم کی گئی ہے۔ تاریخ دارالعلوم میں بھی دارالعلوم کے عہدہ داران کو الگ عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے اور مشاہیر کو الگ عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ دارالعلوم کے اہم ذمہ داران کو الگ فہرست میں ذکر کرنا زیادہ اچھی ترتیب ہے، نہ یہ کہ ان کو عام ترتیب میں جگہ دی جائے۔ لیکن جناب ابوعکاشہ صاحب کو یہ ترتیب پسند نہیں آئی۔ انھوں نے خود ایک ترتیب قائم فرمائی ہے جس میں اس دور کی تمام شخصیات کو شامل کرلیا ہے جن کا کسی بھی طرح کا تعلق دارالعلوم سے رہا ہے اور ان کو تاریخ پیدائش کی ترتیب پر رکھا

ہے۔ حالاں کہ عمر میں بڑا چھوٹا ہونا الگ بات ہے اور عہدہ و درجہ میں بڑا ہونا اس سے بالکل مختلف بات ہے۔ نیز، کسی کا محض فاضل دارالعلوم ہونا اور کسی کا دارالعلوم میں ایک مدت تک اہم عہدہ پر فائز رہنا دونوں میں کافی فرق ہے۔ لیکن جناب ابوعکاشہ صاحب سب کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانکنے پر بہ ضد ہیں۔

جناب ابوعکاشہ صاحب نے اپنی مرتب کردہ ترتیب میں کچھ شخصیات کے ناموں کا اضافہ بھی کیا ہے اور ان کے مستقل حالات بھی تحریر کیے ہیں، وہ شخصیات یہ ہیں:

(۱) مولانا یعقوب الرحمن عثمانی متوفی ۱۹۵۲ء

(۲) مولانا قاری جلیل الرحمن عثمانی متوفی ۱۹۹۵ء

(۳) مولانا عامر عثمانی متوفی ۱۹۷۵ء

مولانا یعقوب الرحمن اور مولانا عامر عثمانی کی شخصیات ایسی ہیں جو تاریخ دارالعلوم شائع ہونے سے پہلے انتقال کر چکی ہیں، لیکن پوری تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی میں کسی بھی عنوان کے تحت ان شخصیات کا نام تک نہیں آیا ہے۔ حتی کہ دیوبند کے موضوع پر شائع ہونے والی متعدد کتابوں کو میں نے الٹ پلٹ کر دیکھا، مجھے ان حضرات کا نام نہیں ملا۔ جہاں تک مولانا قاری جلیل الرحمن صاحب کی بات ہے وہ دارالعلوم کے استاد تجوید تھے۔ تاریخ دارالعلوم میں اساتذہ کا ذکر بالکل ہی نہیں کیا ہے، لیکن جامع و مختصر تاریخ میں دارالعلوم کے درجۂ علیا کے اساتذہ کے احوال ذکر کیے گئے ہیں اور دیگر اساتذۂ عربی کی فہرست دی گئی ہے۔ سابق تجوید و قراءت کے اساتذہ کا تذکرہ نہیں دیا گیا ہے۔ حضرت قاری جلیل الرحمن صاحب سے سینئر اور صدر القراء حضرت قاری عبدالوحید الہ آبادی اور حضرت قاری حفظ الرحمن پرتابگڈھی کا بھی تذکرہ نہیں ہے۔

ص ۵۰۷: کن لوگوں کا نام آنا چاہیے تھا؟

جناب ابوعکاشہ صاحب کے مطابق کن حضرات کا دارالعلوم کی تاریخ میں ذکر آنا چاہیے، اس سلسلے میں اپنی کتاب کے صفحہ ۵۰۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

> بہرحال! درج بالا حضرات کے علاوہ فاضل مرتب نے دورِ حاضر کی جن اہم شخصیات کا ذکر اپنی غیر ثقہ کتاب میں نہیں کیا ہے ان کا تعارف موجودہ دور کے علماء میں ضرور کرنا چاہیے تھا، ہم چند وہ نام لکھ رہے ہیں، جن کا ذکر کیے بغیر دورِ حاضر میں نہ تو دارالعلوم کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے اور نہ ہی دیوبند کی۔
>
> حضرت مولانا قمر عثمانی (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند)، حضرت مولانا قاری ابوالحسن اعظمی (رکن رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ و سابق شیخ القراء دارالعلوم دیوبند)، حضرت مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند)، حضرت مولانا حسن الہاشمی (مدیر ماہنامہ طلسماتی دنیا دیوبند)، حضرت مولانا ندیم الواجدی (۵۰ سے زائد کتابوں کے مصنف و نامور ادیب)، حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر (استاذ دارالعلوم وقف دیوبند اور ۲۰ کتابوں کے مصنف)، حضرت مولانا عبید اقبال عاصم (کئی کتابوں کے مصنف)، حضرت مولانا حسیب صدیقی (سابق چیئرمین دیوبند، دارالعلوم دیوبند کا بجٹ پیش کرنے کے علاوہ آپ ایک بہترین منتظم اور ماہر حساب ہیں)، مولانا مفتی یاسر ندیم الواجدی دورِ حاضر کی اہم شخصیت۔

فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا ذکر کیے بغیر نہ دارالعلوم کی تاریخ مکمل ہو سکتی ہے اور نہ دیوبند کی۔ ابھی حال ہی میں ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب کی کتاب دیوبند کی تاریخ پر آئی ہے، بہ مشکل ایک دو لوگوں کا ذکر آپ کو اس اُس کتاب میں ملے گا؟ لیکن ابوعکاشہ صاحب اس سلسلے میں کچھ نہ فرمائیں گے کیوں کہ ان کے اپنے لوگ کچھ بھی کر جائیں ان کے گناہ معاف اور دوسرا اُن کے زعم میں معمولی سے معمولی غلطی بھی کر دے تو تاریخ کا قتل، خیانت، جھوٹ اور نہ جانے کیا کیا۔ جناب ابوعکاشہ صاحب کے طرز عمل سے بالکل صاف معلوم ہوتا ہے کہ علاقائی اور خاندانی عصبیتوں کی وجہ سے انھیں مولانا محمد اللہ قاسمی صاحب کا سچ بھی قبول نہیں ہے:

ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ ، اپنا مذہب چھوڑ کر
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

ص ۷۵۰ تا ۸۰۰: حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری اور ان کا عہد

جناب ابو عکاشہ صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۵۰ تا ۸۰۰ یعنی پچاس صفحات کے اندر حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری کے تعارف اور ان کے عہد پر ہونے والی ترقیات کے ذکر کو چاپلوسی اور جھوٹ سے تعبیر کیا ہے اور اپنے ثبوت میں مولانا حسن الہاشمی کے سات طویل خطوط نقل کیے ہیں جو ان کے رسالہ طلسماتی دنیا میں شائع ہوئے تھے۔ تعمیری ترقیات کے سلسلے میں ان کا کہنا ہے کہ وہ مولانا مرغوب الرحمن نہیں بلکہ مولانا وحید الزمان کیرانوی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اور ان کو مولانا مرغوب الرحمن صاحب سے جوڑنا صحیح نہیں۔

جامع و مختصر تاریخ میں صفحہ ۵۳۸ تا ۵۴۲ آپ خود ملاحظہ فرماسکتے ہیں کہ ان میں کتنی مبالغہ آمیزی ہے۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب کے بعد حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری کا کار اہتمام سنبھالنا اور نہ صرف دارالعلوم کو اس بھنور سے باہر نکال لانا بلکہ تعمیری، تعلیمی اور انتظامی ترقیات سے اس کو ہمکنار کرانا ان کا اہم کارنامہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام انھوں نے اکیلے انجام نہیں دیا اور نہ ہی کوئی سربراہ اکیلے انجام دیتا ہے، بلکہ ادارہ کے دیگر کارکنان اس کا تعاون کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ مجلس شوری خاص طور پر حضرت مولانا سید اسعد مدنی، اساتذہ و کارکنان دارالعلوم جس میں ابتدائی دور میں خصوصاً حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی، حضرت مولانا ریاست علی بجنوری، حضرت مولانا عبد الخالق مدراسی وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ اس زمانہ کی ترقیات کو سربراہ دارالعلوم ہونے کی حیثیت سے حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری کے حالات کے ذیل میں لکھا گیا ہے اور جن حضرات کا تعاون رہا ہے ان کے احوال کے ذیل میں ان کے تعاون کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس میں اشکال

کی کیا بات ہے؟ آپ تاریخ دارالعلوم دیکھ لیں، دارالعلوم کی عمارتوں میں لگے کتبات کو ملاحظہ کرلیں، سب جگہ آپ کو حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے زمانۂ اہتمام میں تعمیر ہونے والی عمارات میں اس دور کے مہتمم کا ذکر ملے گا۔ مثال کے طور پر مسجد قدیم جو ۱۳۲۸ھ میں تعمیر ہوئی، اس پر حضرت شیخ الہند نے منظوم تاریخ لکھی، اس کی لوح پر حضرت مولانا حافظ احمد خلف الرشید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا نام نامی کندہ ہے، لیکن ان کے معاون حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی نام یہاں مذکور نہیں۔ بہرحال مسجد قدیم کے کتبہ کا عکس پیش خدمت ہے:

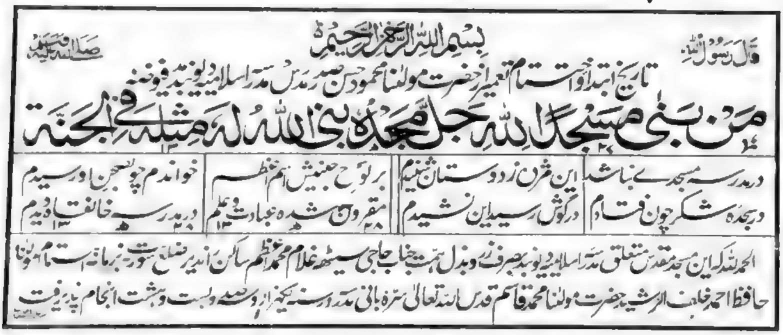
بسم اللہ الرحمن الرحیم
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تاریخ ابتدا و اختتام تعمیر از حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند فیوضہ
من بنی مسجداً للہ جل مجدہ بنی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ

دیدہ رسے مسجدے بنا شد | این قرن ز دوستان شنیدم | بر لوح جبینش اسم اعظم | خواندم چو بحسن او رسیدم
در سجدہ شکر چون فتادم | در گوش رسید این نشیدم | مقرون شدہ عبادت و علم | دیدہ رسید خانقاہ دیدم

الحمد للہ کہ این مسجد مقدس متعلق مدرسہ اسلامیہ دیوبند بصرف زر و بذل ہمت جناب حاجی سیٹھ غلام محمد اعظم ساکن رندیر ضلع سورت بزمانہ اہتمام مولانا حافظ احمد خلف الرشید حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ تعالیٰ سرہ بانی مدرسہ در سنہ یکہزار و سہ صد و بست و ہشت انجام پذیرفت

مولانا ندیم الواجدی کی شہادت

اس دور جدید میں دارالعلوم میں کتنی تعلیمی ترقی ہوئی، نئے کورسز شروع ہوئے، شعبہ جات کا اضافہ ہوا، نئی عمارتیں وجود میں آئیں وغیرہ وغیرہ جیسے امور ظاہر و باہر ہیں اور ہر آنکھ رکھنے والے کو نظر آرہے ہیں۔ سابقہ صفحات میں ان کا تذکرہ بھی آچکا ہے؛ اس لیے اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں؛ البتہ اس دور کی تعلیمی، انتظامی اور تعمیراتی ترقیات کے سلسلے میں مولانا ندیم الواجدی کے مضمون کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب ہوگا جس میں انھوں نے اس سلسلے میں بہت جامع تبصرہ کیا

ہے۔ یہ مضمون ہفت روزہ الجمعیۃ مارچ ۲۰۱۱ء کے حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری کے انتقال کے بعد شائع ہونے والے نمبر میں صفحہ ۵۸ تا ۶۱ پر شائع ہوا ہے۔

مولانا ندیم الواجدی صاحب کی یہ شہادت (ص ۵۸ تا ۵۹) اس قابل ہے کہ آپ اسے ملاحظہ فرمائیں اور ابوعکاشہ صاحب کی ہرزہ سرائیوں کی حقیقت سے واقف ہوں:

> جب حالات مزید ابتر ہوئے اور دارالعلوم کے قریب ایک کیمپ کا قیام عمل میں آیا تو ان کو کارگزار مہتمم بنادیا گیا اور جب حضرت قاری صاحبؒ کو منصب اہتمام سے بے دخل کردیا گیا تو مجلس شوریٰ نے ۱۹۸۲ء میں ان کو مہتمم کے منصب پر فائز کردیا۔ اس وقت عام تاثر یہ تھا کہ زمیندارانہ ذہن و مزاج رکھنے والے یہ خاموش طبع عالم دین رکن شوریٰ اس بارِ گراں کا تحمل نہیں کر پائیں گے۔ ہوسکتا ہے خود ہی ہمت ہار بیٹھیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ماحول ان کے خلاف ہوجائے اور ان کے پاس گھر بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے، مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ان کے جوہر کھلتے چلے گئے، لوگوں کو اندازہ ہوا کہ یہ خاموش آتش فشاں محض راکھ کا ڈھیر نہیں ہے بلکہ اس کی تہہ میں آگ کے طوفان خوابیدہ ہیں جو شعلہ بداماں ہوں گے تو مخالفوں کی امنگوں کو جلا کر راکھ کردیں گے۔ انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ تیس سال کا سفر پورا کیا اور اپنے خونِ جگر سے ایک تاریخ لکھی، جس کا ایک ایک لفظ ایثار، اخلاص، تدبر، تیقظ، تدین اور تقویٰ و پرہیزگاری کا روشن عنوان ہے۔ آج وہ ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کے دور کی کامیابیاں قندیلوں کی طرح سر رہ گزر روشن ہیں۔ دارالعلوم کا ہر ذرّہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ جیسا مخلص، بے لوث اور دیانت دار قائد اس ادارے کو مشکل ہی سے ملے گا۔

مولانا ندیم الواجدی صاحب کے مضمون کے اس اقتباس کو بار بار پڑھیے اور ابو عکاشہ کی تحریر بھی پڑھیے، پھر فیصلہ کیجیے۔ واضح رہے کہ مولانا ندیم الواجدی ایسی شخصیت ہیں جو اپنی تحریروں میں دارالعلوم اور ارباب دارالعلوم پر متعدد مواقع پر تنقید بھی کرتے رہے ہیں۔

آگے انھوں نے حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری کے عہد میں ہونے والی تعلیمی، انتظامی اور تعمیراتی ترقیوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ان کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے بے مثال ترقی کی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں اس ادارے کا بجٹ ایک کروڑ سے بھی کم تھا، آج وہ تیرہ چودہ کروڑ ہے۔ ان کے دور میں کئی شاہکار عمارتیں وجود میں آئیں خاص طور پر مسجد رشید جس کی رعنائی وزیبائی قابل دید ہے، ان ہی کے دور میں کروڑوں کے صرفے سے تعمیر ہوئی۔ شیخ الہندؒ، شیخ الاسلامؒ اور حکیم الامتؒ جیسے اکابرین کی طرف منسوب لاجواب عمارتیں ان ہی کے دور میں بنیں۔ لائبریری کی عظیم الشان آٹھ منزلہ عمارت کا سنگ بنیاد ان ہی کے دور میں رکھا گیا۔ جدید دارالاقامہ کی تعمیر کا آغاز ان ہی کے دور میں ہوا۔ تعلیمی اعتبار سے بھی ان کا دور نہایت تابناک رہا۔ نصاب کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا گیا، کئی تعلیمی شعبے کھولے گئے، افتاء کی تعلیم میں زبردست پیش رفت ہوئی۔ شعبۂ صحافت قائم کیا گیا، بیش قیمت موضوعات پر تحقیقی کتابوں کی اشاعت کے لیے شیخ الہند اکیڈمی قائم ہوئی۔ انگلش کی تعلیم اور کمپیوٹر کی ٹریننگ کا آغاز ہوا، ختم نبوت کی تحریک کے تن مردہ میں جان ڈالی گئی اور اس کے لیے باقاعدہ دفتر کا قیام عمل میں آیا۔ ملک بھر کے مدارس کو فکر وعمل کی ایک زنجیر میں منسلک کرنے کے لیے رابطۂ مدارسِ اسلامیہ کا شعبہ قائم ہوا، یہ اور اس طرح کے بہت سے کام حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دور میں ہوئے۔ اگر

یہ کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ ان کا دورِ اہتمام ہر اعتبار سے مثالی رہا ہے۔ ملازمین اور اساتذہ کی تنخواہیں بار بار بڑھائی گئیں۔ طلبہ کے وظیفوں میں اضافہ کیا گیا۔ تعلیمی نظام کو مستحکم کیا گیا، ان کے کامیاب اہتمام کا سب سے تابناک پہلو یہ رہا کہ ان کے تیس سالہ دور میں کبھی کوئی شورش برپا نہیں ہوئی۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بھی دارالعلوم کے وقار میں اضافہ ہوا۔ سیاسی طور پر بھی اس کا وزن محسوس کیا گیا۔ اگرچہ دارالعلوم دیوبند کا اپنا کوئی سیاسی نظریہ نہیں ہے، نہ پہلے تھا اور نہ آج ہے، مگر ہر سیاسی جماعت اس بات کے لیے کوشاں رہی کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور اس کے اکابر کی خوشنودی حاصل کر کے ملک کے مسلمانوں کا اعتماد جیت لے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملکی اور بین الاقوامی تناظر میں مدارس کو بدنام بھی کیا گیا، دہشت گردی کے الزامات لگائے گئے، بطور خاص دارالعلوم کو نشانہ بنایا گیا، حضرت مولانا نے پورے حوصلے کے ساتھ اس الزام کا جواب دیا، دارالعلوم کے وسیع کیمپس میں دہشت گردی کے خلاف کانفرنس کا انعقاد ان کے دور کی کامیابیوں میں سرفہرست ہے۔

(ہفت روزہ الجمعیۃ، امیر الہند نمبر، مارچ ۲۰۱۱ء ص ۵۸ تا ۵۹)

ص ۸۰۱ تا ۸۰۹ : مولانا اسعد مدنی کی چاپلوسی کے الزام کی حقیقت

جناب ابو عکاشہ صاحب کے جائزے کا آخری عنوان ہے 'خالص بکواس' اور اس کے ذیل میں انھوں نے جامع و مختصر تاریخ میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے سوانحی

حالات کے سلسلے میں حسب عادت ایسے گھٹیا اور سوقیانہ تبصرے کیے ہیں جو ان کی ذہنیت کی غمازی کرتے ہیں۔

پوری کتاب میں متعدد مواقع پر جامع و مختصر تاریخ کے مرتب مولانا محمد اللہ قاسمی پر حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی چاپلوسی اور تملق کا الزام دیا گیا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جامع و مختصر تاریخ میں انھوں نے جملوں کے اندر حضرت مولانا سید اسعد مدنی کا ذکر صرف چند مقامات پر کیا ہے۔ ذیل میں اصل عبارتیں بعینہ نقل کی جارہی ہیں تاکہ آپ چاپلوسی اور تملق کے الزام کی حقیقت اور جناب ابو عکاشہ صاحب کے فریب و جعل سازی کا بہ خوبی ادراک کر سکیں:

"حضرت مولانا اسعد مدنیؒ مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ نے اپنی فعال اور بااثر شخصیت سے دارالعلوم کو بہت فائدہ پہنچایا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۱۰۱)

"مجلس شوری کے اہم ترین رکن امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علمائے ہند کا سانحۂ انتقال پیش آیا۔ دارالعلوم کی ترقی اور اس کی خدمات کی توسیع میں آپ کا اہم حصہ ہے۔ دارالعلوم کے بہت سے نئے شعبہ جات اور سرگرمیوں کی اصل محرک آپ کی ہی شخصیت رہی ہے۔ آپ کی فعال اور موئثر قیادت سے دارالعلوم کو بڑا فائدہ پہنچا۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۱۰۸)

"اس دور میں مجلس شوری کی اہم شخصیات میں قدیم رکن حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ وغیرہم اور اخیر میں فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علمائے ہند رہے ہیں۔" (جامع و مختصر تاریخ، ص ۱۱۳)

درج بالا اقتباسات کے علاوہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے سوانحی حالات جامع مختصر تاریخ کے صفحہ ۶۷۶ تا ۶۷۷ پر مذکور ہیں، اس کا عکس بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ

فدائے ملت، امیر الہند ثانی، ہندوستانی مسلمانوں کے عظیم قائد، ممبر پالیمنٹ، حضرت مدنیؒ کے جانشین، جمعیۃ علمائے ہند کے صدر اور دار العلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رکین تھے۔

۶/ ذوالقعدہ ۱۳۴۶ھ/ ۲۷/ اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ دیوبند میں پیدا ہوئے۔ مولانا قاری اصغر علی سہسپوریؒ کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کی اور ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔

دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد عرصہ تک مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ شوال ۱۳۷۰ھ/ اگست ۱۹۵۱ء میں دار العلوم میں تدریس کے لیے تقرر ہوا اور ۱۹۶۲ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس بارہ سال کے عرصہ میں درجات متوسطہ کی کتابیں زیر درس رہیں۔

ابتدا ہی سے جمعیۃ علماء سے وابستہ رہے۔ ۱۹۶۰ء میں آپ کو جمعیۃ علماء اتر پردیش کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۹/ اگست ۱۹۶۳ء کو حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادیؒ کی زیر صدارت آپ کو جمعیۃ علمائے ہند کا ناظم عمومی بنایا گیا۔ ۱۱/ اگست ۱۹۷۳ء کو آپ جمعیۃ علمائے ہند کے صدر منتخب گئے اور پھر تا حیات اس منصب پر فائز رہے۔

۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا سے ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے اور ۱۹۹۴ء تک ممبر رہ کر پارلیمنٹ میں ملک وملت کے تمام مسائل کی پوری جرأت و بے باکی کے ساتھ ترجمانی کی۔

۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور تاعمر دارالعلوم دیوبند کی تعمیر و ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں شورائی نظام کی بحالی و بالادستی میں انھوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ کے بعد اس کی تعلیمی و تبلیغی خدمات کی توسیع و ترقی میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔

جمعیۃ علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے آپ نے ہندوستانی مسلمانوں کی مثالی قیادت کی اور بے لوث خدمات کی ایک روشن تاریخ رقم کی۔ ملک میں مسلمانوں کو پیش آنے والے تمام چیلنجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر موڑ پر ملتِ اسلامیہ کی شاندار قیادت کی۔ آزاد ہند میں مسلم اقلیت کی خدمات کے حوالے سے ان کا نام تاریخ میں جلی حروف میں لکھا جائے گا۔

۷/محرم ۱۴۲۷ھ/ ۶/فروری ۲۰۰۶ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور مزار قاسمی دیوبند میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، مارچ ۲۰۰۶ء

ہفت روزہ الجمعیۃ اکتوبر ۱۹۹۵ء، جمعیۃ علماء نمبر ص ۴۴۸-۴۵۵

پوری کتاب میں حضرت مولانا اسعد مدنی کے سلسلے میں بس یہی عبارتیں لکھی گئی ہیں۔ اب قارئین خود ہی بتائیں کہ اس میں تملق کہاں ہے؟ کیا دیگر حضرات کے تعارف میں ان کے شایان شان الفاظ و عبارات نہیں لکھی گئی ہیں۔ اوپر آپ نے حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی کے احوال پڑھے ہیں جو جامع و مختصر تاریخ میں لکھے گئے ہیں، اس کے علاوہ دیگر حضرات کے تذکرے بھی آپ کتاب میں دیکھ سکتے ہیں۔ بس فرق یہ ہے کہ مولانا سید اسعد مدنی کا ذکر چوں کہ آخری دور کے ذیل میں ہے اور یہ واقعات تاریخ دارالعلوم وغیرہ میں نہیں آسکے ہیں اس لیے ان میں کچھ تعارفی جملے بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

یہاں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ ابو عکاشہ جیسے لوگ ایک طرف مولانا سید اسعد مدنی کو انقلاب کا ہیرو مانتے ہیں اور حتی کہ دارالعلوم، مجلس شوری اور اہتمام کو بھی ان کے تابع گردانتے ہیں، اور دوسری طرف تاریخ دارالعلوم میں ان کا نام اگر نمایاں طور پر آجائے تو چراغ پا بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ کیسا تضاد ہے؟ اگر آپ کے بقول موجودہ دور کی تاریخ اور اختلاف کے بعد کے ہیرو اور اہم ترین شخصیت

مولانا اسعد مدنی کی ہے تو ان کا ذرا سا نمایاں تذکرہ آنے سے آپ کے پیٹ میں درد کیوں ہوتا ہے؟

دوسری طرف یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ 'جامع و مختصر تاریخ' میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی کو صرف مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے اور موجودہ دور کے علماء و اکابر کے ذیل میں ان کا نام نہیں دیا گیا ہے؛ کیوں کہ وہ صرف رکن شوریٰ تھے اور رکن شوریٰ کی حیثیت سے دیگر علماء بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ علماء و اکابر کے ذیل میں صرف انھیں شخصیات کو جگہ دی گئی ہے جن کا دارالعلوم کے اہتمام، صدارت تدریس، صدارت افتاء کا تعلق ہو۔ اگر جامع و مختصر تاریخ کے مرتب حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب کو کھینچا تانی کر کے علماء و اکابر دارالعلوم کی فہرست میں لے آتے تو کہا جا سکتا تھا کہ انھوں نے ناانصافی کی ہے۔ لیکن یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے، آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ اس فہرست میں ان کا نام نہیں ہے:

موجودہ دور کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات

موجودہ دور کے علماء واکابر دارالعلوم

	علماء واکابر	عہدہ
۱	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ	مہتمم دارالعلوم
۲	حضرت مولانا معراج الحق دیوبندیؒ	صدرالمدرسین
۳	حضرت مولانا نصیر احمد خان بلند شہریؒ	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۴	حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	مفتی
۵	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	مفتی
۶	حضرت مولانا غلام رسول خاموش گجراتیؒ	کارگزار مہتمم
۷	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۸	حضرت مولانا غلام محمد وستانوی	مہتمم دارالعلوم
۹	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی	مہتمم دارالعلوم

(جامع و مختصر تاریخ، ص ۵۴۷)

اس فہرست میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی کا نام شامل نہیں ہے کیوں کہ وہ بہ طور منصب صرف رکن شوری تھے، جب کہ اس فہرست میں صرف دارالعلوم کے اہم ذمہ داران کو جگہ دی گئی ہے۔ اگر مولانا اسعد مدنی کو اس فہرست میں زبردستی جگہ دی جاتی تب تو تملق اور چاپلوسی کی بات معقول ہو سکتی تھی۔

ص ۸۱۰ تا ۸۵۸ : جمعیۃ علمائے ہند اور مکالمۃ الصدرین

اس کے بعد جناب ابوعکاشہ رحمان صاحب نے تقریباً چالیس سے زائد صفحات میں جمعیۃ علمائے ہند کے سلسلے میں اول فول باتیں کی ہیں اور کچھ تحریریں نقل کی ہیں۔ اولاً ممبر پارلیمنٹ بیرسٹر اسد الدین اویسی کے سلسلے میں جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم عمومی مولانا سید محمود مدنی کے ایک بیان کو لے کر تبصرے کیے گئے ہیں اور پھر 'ملت اسلامیہ پر رحم کیجیے مولوی محمود مدنی صاحب' کے عنوان سے ایک مضمون نقل کیا ہے۔

اس کے بعد نظریۂ پاکستان اور تقسیم ہندوستان کے سلسلے میں حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی صاحب کی مرتب کردہ کتاب 'مکالمۃ الصدرین' نقل کی ہے۔ واضح رہے کہ مکالمۃ الصدرین اس وقت کے صدر مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور صدر المدرسین حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے درمیان مذکور الصدر موضوع پر ہونے والی گفتگو کا ریکارڈ ہے جسے مولانا محمد طاہر قاسمی نے نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں بعض غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے ان کے ازالے کے لئے 'کشف حقیقت' نامی ایک رسالہ لکھا۔ لہذا اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کے لیے اس رسالہ کا دیکھنا بھی از حد ضروری ہے؛ کیوں کہ اس کے بعد ہی فریقین کا صحیح موقف سامنے آسکتا ہے۔

بہر حال ہمیں تو یہ عرض کرنا ہے کہ جناب ابوعکاشہ صاحب نے محض کتاب کی ضخامت کو بڑھانے اور مدنی خانوادے کے تئیں اپنے بغض و عناد کے اظہار کے لئے غیر متعلق چیزیں کتاب میں شامل کر کے اس کی ضخامت بڑھادی ہے۔

مکالمۃ الصدرین کو نقل کرنے کے بعد انھوں نے جمعیۃ علمائے کے ماہنامہ تجلی کے مزید تین اداریے پیش کیے اور اسی پر کتاب کا اختتام ہو گیا ہے۔

ص ۸۵۹ : 'تاریخ کے قاتل' کے مآخذ و مراجع

کتاب 'تاریخ کے قاتل' کے اختتام پر صفحہ ۸۵۹ پر ابو عکاشہ صاحب نے مآخذ و مراجع کی فہرست پیش کی ہے جس سے ان کے مبلغ علم اور معیار تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

مآخذ و مراجع

تاریخ دارالعلوم دیوبند	سید محبوب رضوی
ماہنامہ تجلی (مختلف شمارے)	مولانا عامر عثمانی
کشکول عثمانی	عبدالرحمٰن سیف عثمانی
مسلمانوں کے علمی اور سائنسی کارنامے	مسعود جاوید عثمانی
دو بندۂ مولا صفات	مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
رد فتنہ مودودیت	ڈاکٹر سید انور علی
برہان کا مفکر ملت نمبر	مولانا سعید احمد اکبرآبادی
صدسالہ اجلاس کی مختصر رپورٹ	اظہر صدیقی
روداد دارالعلوم دیوبند	
دارالعلوم کی صد سالہ زندگی	مولانا قاری محمد طیب قاسمی
تحدیث نعمت	مولانا منظور نعمانی
اکابر دیوبند کیا تھے	مفتی محمد تقی عثمانی
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی	مولانا محمد اسحاق قاسمی
عکس و نقش	نایاب حسن قاسمی
ترجمان دارالعلوم کا مولانا وحید الزماں کیرانوی نمبر	
الفاروق	علامہ شبلی نعمانی
ملت خور بزرگ	صادق صابری
پوسٹ مارٹم	صادق صابری
ترجمہ شیخ الہند	مولانا محمود حسن عثمانی
تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی
تفسیر بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی

انھوں نے سیدھے سیدھے کتاب کا نام اور مصنف کا نام ذکر کر دیا ہے، نہ جلد، نہ مطبع اور نہ سن طباعت۔ حالاں کہ اس کتاب میں متعدد ایسی کتب اور رسائل بھی شامل ہیں جن کا یہاں کوئی ذکر نظر نہیں آ رہا ہے۔

نیز، ان ماخذ و مراجع کی 'حسن ترتیب' بھی ملاحظہ فرمائیں کہ تراجم و تفاسیر قرآن کو سب سے آخر میں رکھا گیا ہے۔ نیز، اپنے دعوی کے مطابق انھوں نے اس کو حروف تہجی کی بنیاد پر نہیں لکھا اور جو ترتیب اختیار کی وہ بالکل واضح نہیں ہے۔

'تاریخ کے قاتل': ایک عمومی جائزہ

اب تک جناب ابو عکاشہ رحمان صاحب کے الزامات و اتہامات کا جائزہ پیش کیا جاچکا ہے، لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مرکزی خیال اور اس تصنیف کے مضمرات کا بھی عمومی جائزہ لے لیا جائے۔

عثمانی خانوادے سے بغض وحسد کی حقیقت

قارئین کرام! تاریخ کے قاتل کا مرکزی الزام یہ ہے کہ جامع و مختصر تاریخ کے مرتب نے جان بوجھ کر خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور عثمانی خانوادے سے بغض و حسد کی بنیاد پر ان کا ذکر اس کتاب میں نہیں کیا ہے، یا کیا ہے تو اس کو ہلکا کر کے کیا ہے۔

مثال کے طور پر درج ذیل پیراگراف پوری 'تاریخ کے قاتل' کا لب لباب اور قتل کے الزام کی نصف چارج شیٹ ہے۔ بقیہ نصف کا تعلق حضرت مولانا سید اسعد مدنی کے نام نہاد تملق اور چاپلوسی کے الزام سے ہے جس کا جائزہ آپ نے پچھلے سطور میں ملاحظہ فرمالیا۔ بس انھیں دو کم زور ستونوں پوری کتاب کی عمارت قائم ہے۔ ان سطروں میں جناب ابو عکاشہ صاحب نے تعصب و تنگ نظری اور بے جا الزام تراشی کی حد ہی کر دی۔ وہ لکھتے ہیں:

> "نہ جانے دارالعلوم کی جدید تاریخ لکھنے والے فاضل مرتب صاحب کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ سے کس قسم کا بغض یا عناد ہے کہ ان کے نسبی وارثوں کو حق دار ہوتے ہوئے بھی انھوں نے نظر انداز کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اسی لیے تو دارالعلوم کے بانی مولانا فضل الرحمن عثمانی کا

نام وہ نہیں لکھتے۔ فخر الہند مولانا حبیب الرحمن عثمانی کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کرتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کا ذکر ان کے سن وفات ۱۹۴۹ء میں نہیں کرتے ہیں۔ مفتی عتیق الرحمن کا نام ہلکا کر کے ان کی عظمت وشان کو اپنے تئیں کم کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ دارالعلوم کے فارغین میں شعراء کا ذکر کرتے ہوئے مولانا زبیر افضل عثمانی کا نام شاعروں کی فہرست میں نہیں لکھتے، حالاں کہ اسی کتاب میں ان کی نظم شامل کر لیتے ہیں۔ اور تو اور تنگ نظری کی انتہا تو یہ ہے کہ گزشتہ ستر (۷۰) سال میں دارالعلوم کے سب سے بڑے قلم کار پیکر دانائی، زیرک، فقیہ، حق وصداقت کی آواز اور بے باک مجاہد قلم مدبر اسلام حضرت مولانا عامر عثمانی کی بے پناہ علمی کاوشوں کو نظر انداز کر کے انھیں فقط شاعر کی حیثیت سے شعراء کی فہرست میں شامل کر کے ان کی عظمت کو کم کرنے کی پھر سے ناکام کوشش کرتے ہیں۔" (تاریخ کے قاتل، ص۴۵۵)

خلیفۃ المسلمین ذوالنورین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض و عناد کا سنگین الزام، تاریخ کے قاتل کے مرتب جناب ابوعکاشہ صاحب کی ڈھٹائی، دریدہ دہنی اور ذہنی افلاس کی علامت ہے۔ اس سلسلے میں مزید کیا کہا جاسکتا ہے کہ اپنے مفروضہ ذاتی اور خاندانی عصبیت کو ظاہر کرنے کے لئے خلیفۃ المسلمین کا واسطہ تو دیتے ہیں مگر ان کے طرز عمل سے کوسوں دور ہیں۔ کاش پہلے ان کی سیرت کا مطالعہ کر لیتے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالی صحیح سمجھ عطا فرمائیں۔

ذیل میں ہم ایک فہرست پیش کر رہے ہیں جس سے واضح ہوگا کہ عثمانی خانوادے کے ان اکابر علماء کی کا نام اور اور تذکرہ 'جامع و مختصر تاریخ' کن کن مقامات پر آیا ہے؛ تاکہ جناب ابوعکاشہ صاحب کے الزامات اور بہتان تراشیوں کی حقیقت واشگاف ہو جائے اور انھوں نے قارئین کو عثمانی خانوادے کو نظر انداز کرنے کے سلسلے میں فریب دینے کی جو کوشش کی ہے وہ طشت از بام ہو جائے:

نام	صفحہ	باب / سیاق وسباق
حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی	۵۶۸تا۵۶۹	آٹھواں باب: حالات
	۵۶	باب اول: دارالعلوم کا نصب العین اور بنیادی اصول
	۵۸	دوسرا باب: بنائے دارالعلوم
	۵۹	دوسرا باب: بنائے دارالعلوم
	۷۵	دوسرا باب: دارالعلوم دیوبند کا دوسرا دور
	۱۱۹تا۱۲۰	دوسرا باب، تعمیر نودرہ
	۴۴۴	آٹھواں باب
حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی	۴۸۰تا۴۸۳	آٹھواں باب: حالات وخدمات
	۶۸	دوسرا باب: اولین فضلاء
	۷۲،۷۵، ۷۷،۷۹، ۸۰،۸۱	دوسرا باب: دور اہتمام ونیابت اہتمام
	۸۳	دوسرا باب: تیسرا دور
	۱۹۵	پانچواں باب: ماہنامہ دارالعلوم
	۲۶۳	چھٹا باب: مدارس کا قیام
	۲۷۶	چھٹا باب: فتنۂ قادیانیت
	۳۵۹	چھٹا باب: عربی زبان وادب
	۳۶۰	چھٹا باب: عربی شاعری
	۳۷۰	چھٹا باب: اردو وادب
	۳۷۳	چھٹا باب: اردو صحافت

	۴۵۴	آٹھواں باب: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے یگانۂ عصر تلامذہ
	۴۶۶	آٹھواں باب: حضرت شیخ الہند کے یگانۂ عصر تلامذہ کے ذیل میں
	۴۷۴	آٹھواں باب: دور ثانی کے علماء و اکابر دارالعلوم کی فہرست
	۴۷۷	آٹھواں باب: حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب
	۵۰۲	آٹھواں باب: حالات مولانا شبیر احمد عثمانی
	۷۱۴	آٹھواں باب: دارالعلوم کے مہتمم حضرات کی فہرست
	۷۱۷	آٹھواں باب: نائب مہتمم حضرات کی فہرست
	۷۳۰	آٹھواں باب: دارالعلوم کے اساتذہ کی فہرست
حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی	۵۰۷تا۵۱۰	آٹھواں باب: حالات و خدمات
	۶۸	دوسرا باب: اولین فضلاء
	۷۰	دوسرا باب: دارالافتاء کے پہلے مفتی
	۱۸۸	چوتھا باب: حضرت مفتی صاحب کی فقہی بصیرت
	۱۸۹	چوتھا باب: فتاوی دارالعلوم
	۱۹۷	چوتھا باب: شعبۂ ترتیب فتاوی
	۲۶۳	چھٹا باب: مدارس کا قیام
	۲۷۵	چھٹا باب: تحفظ ختم نبوت
	۳۲۸	چھٹا باب: ترجمہ تفسیر جلالین
	۳۳۰	چھٹا باب: منحۃ الجلیل
	۳۴۷،۳۴۸	چھٹا باب: فقہی خدمات

	۳۵۱	چھٹاباب: فتاوی دارالعلوم، عزیزالفتاوی
	۳۶۰	چھٹاباب: عربی شاعری
	۴۵۴	آٹھواں باب: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے یگانہ عصر تلامذہ
	۴۵۷	آٹھواں باب: حضرت مولانارفیع الدین دیوبندی
	۴۷۴	آٹھواں باب: دور ثانی کے علماء و اکابر دارالعلوم کی فہرست
	۴۸۰	آٹھواں باب: حالات مولاناحبیب الرحمن عثمانی
	۵۰۲،۵۰۳	آٹھواں باب: حالات مولاناشبیر احمد عثمانی
	۵۱۱،۵۱۲، ۵۱۳	آٹھواں باب: حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کے استاذ
	۵۱۹	آٹھواں باب: حضرت قاری محمد طیب صاحب
	۵۲۳	آٹھواں باب: حضرت علامہ ابراہیم بلیلاوی کے استاذ
	۵۶۸	آٹھواں باب: حضرت مولانافضل الرحمن عثمانی
	۶۱۰	آٹھواں باب: حضرت مفتی ریاض الدین بجنوری
	۶۳۹	آٹھواں باب: حضرت مولانابدر عالم میرٹھی
	۶۴۳	آٹھواں باب: حضرت مولانامفتی عتیق الرحمن عثمانی
	۶۹۱	آٹھواں باب: حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب
	۷۱۷	آٹھواں باب: نائب مہتمم حضرات کی فہرست
	۷۱۹	آٹھواں باب: مفتیان دارالافتاء کی فہرست
	۷۳۰	آٹھواں باب: دارالعلوم کے اساتذہ

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی	۵۰۲تا۵۰۶	آٹھواں باب: حالات و خدمات
	۸۵،۸۷	دوسرا باب: صدر مہتمم
	۲۷۶،۲۸۰	چھٹا باب: تحفظ ختم نبوت
	۳۱۰	چھٹا باب: حکمت قاسمی کے ترجمان
	۳۲۷،۳۲۹	چھٹا باب: تفسیر قرآن
	۳۳۰	چھٹا باب: متعلقات قرآن
	۳۵۹	چھٹا باب: عربی زبان و ادب
	۳۶۲،۳۶۸	چھٹا باب: فتح الملہم، العقل والنقل
	۳۷۰	چھٹا باب: اردو ادب
	۴۶۶،۴۶۷	آٹھواں باب: حضرت شیخ الہند
	۴۷۴	آٹھواں باب: دور ثانی کے علماء و اکابر دارالعلوم کی فہرست
	۴۸۰،۴۸۱	آٹھواں باب: حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی
	۴۹۴	آٹھواں باب: حضرت علامہ انور شاہ کشمیری
	۵۶۸	آٹھواں باب: حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی
	۵۷۸	آٹھواں باب: حضرت مولانا احمد حسن امروہوی
	۵۸۶	آٹھواں باب: حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی
	۶۱۳	آٹھواں باب: حضرت مولانا مفتی فاروق امبیٹھوی
	۶۱۵	آٹھواں باب: حضرت مولانا شائق احمد عثمانی
	۶۲۸	آٹھواں باب: حضرت مولانا حبیب الرحمن محدث اعظمی
	۶۳۹	آٹھواں باب: حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی

	۶۶۱	آٹھواں باب: حضرت مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی
	۶۶۸	آٹھواں باب: حضرت مولانا سید سلیمان ندوی
	۷۱۴	آٹھواں باب: دارالعلوم کے مہتمم حضرات
	۷۲۴	آٹھواں باب: اراکین مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
	۷۳۱	آٹھواں باب: اساتذۂ عربی دارالعلوم
حضرت مولانا عتیق الرحمن عثمانی	۶۴۳ تا ۶۴۴	آٹھواں باب: حالات و خدمات
	۱۰۰	دوسرا باب: موجودہ دور
	۳۷۱	چھٹا باب: اردو ادب
	۳۷۴	چھٹا باب: اردو صحافت
	۳۸۵	چھٹا باب: تحریک آزادی میں شرکت
	۴۹۴	آٹھواں باب: حضرت علامہ کشمیری کے معروف تلامذہ
	۵۶۸	آٹھواں باب: حضرت مولانا فضل الرحمن عثمانی
	۶۴۵	آٹھواں باب: حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
	۷۲۵	آٹھواں باب: مجلس شوریٰ کی رکنیت
	۷۳۳	آٹھواں باب: اساتذۂ دارالعلوم

مولانا عامر عثمانی صاحب کے بارے میں اوپر بات آچکی ہے۔ ان کا انتقال ۱۹۷۵ء میں ہوا اور ہم کہہ چکے ہیں کہ تاریخ دارالعلوم اس کے بعد شائع ہوئی، لیکن اس میں بھی ان کوئی ذکر نہیں۔

عثمانی خاندان کو نظر انداز کرنے کا الزام بے بنیاد اور غیر منصفانہ

درج بالا سطور سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جامع و مختصر تاریخ کے مرتب پر عثمانی خانوادے کو نظر انداز کرنے کا الزام انتہائی بے بنیاد اور غیر منصفانہ ہے۔ بلکہ ایک

قدم آگے بڑھ کر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت قاری محمد طیب صاحب کی کتاب 'دارالعلوم کی صد سالہ زندگی'، سید محبوب رضوی صاحب کی 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' میں عثمانی خاندان کی شخصیات کا جتنا ذکر ہے، اس سے کہیں زیادہ ان کا ذکر جامع و مختصر تاریخ میں ہے اور زیادہ باوقار الفاظ میں ہے۔

انھوں نے عثمانی خاندان کے افراد کے ذکر اور مختلف سیاق وسباق میں ان کا نام نہ آنے کا جو شکوہ کیا ہے، اس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ شاید جامع و مختصر تاریخ کو 'عثمانی خانوادے' کی تاریخ سمجھ رہے ہیں اور ہر پہلو سے عثمانی شخصیات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لائے ہیں تاکہ اس تاریخ میں ان کا اضافہ کروالیں۔ جب کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی وغیرہ میں ان شخصیات میں سے کسی کا نام تک نہیں لیا گیا ہے۔

عثمانی خاندان کو نظر انداز کرنے کا الزام جناب ابوعکاشہ رحمان صاحب کی محض ذہنی اپج اور ان کا مفروضہ ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ جامع و مختصر تاریخ کو دیکھنے اور تاریخ دارالعلوم سے موازنہ کرنے کے بعد یہ بات دو دو چار کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ابوعکاشہ صاحب نے نہ صرف تل کا تاڑ اور رائی کا پہاڑ بنایا ہے، بلکہ بہت سے مقامات پر حقیقت کی پردہ پوشی بھی کی ہے اور بہتان و اتہام کا ارتکاب کیا ہے۔ ان کے بیشتر الزامات اور اعتراضات نہایت بچکانہ اور سطحی ہیں۔ بہر حال کتاب کیا ہے؟ دشنام طرازیوں کا مرقع، اتہامات و الزامات کا پلندہ، شیخیوں اور لن ترانیوں کا مجموعہ ہے۔ جگہ جگہ زبان نہایت مبتذل اور لچر، طرز بیان بہت زہریلا اور عفونت آمیز، مواد سطحیت اور بے جا طول و اطناب سے بھرپور ہے۔ بے بنیاد پروپیگنڈہ اور محض زباں زوری سے لازوال حقائق کو دبایا نہیں جا سکتا۔ دارالعلوم دیوبند اپنی شاندار روایات کے ساتھ ماضی کی طرح آئندہ بھی ترقیات کی شاہراہ پر ان شاء اللہ بڑھتا چلا جائے گا۔

یہ کتاب نقد و تحقیق کے کسی معیار پر قائم نہیں ہے، بلکہ دراصل نقد و جائزہ کے عنوان سے ذاتی خباثت کا ایک مجموعہ ہے۔ ابوعکاشہ صاحب نے کچھ خاندان اور افراد سے تعصب و عناد کی بنیاد پر یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ کتاب پر تبصرہ کرنے کے بجائے وہ ذاتی نوعیت کے تبصروں اور کردار کشی پر اتر آتے ہیں جو نہ صرف اصول نقد و تحقیق کے خلاف ہے بلکہ معیار شرافت سے بھی گری ہوئی بات ہے۔ ابوعکاشہ صاحب نے اعلیٰ نسبی کا خوب ڈھنڈورا پیٹا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ صرف پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا سلیقہ خاندانی شرافت سے آتا ہے۔ کتاب 'تاریخ کے قاتل' ایک ایسا آئینہ ہے جس میں آپ جناب ابوعکاشہ صاحب کی 'اعلیٰ نسبی' ، 'خاندانی شرافت' اور ان کی 'سلیقہ شعاری' کے بہترین نمونے ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

تاریخ کے قتل کے الزام کی حقیقت

اس مجموعہ کے مطالعہ سے آپ پر واضح ہوچکا ہوگا کہ تاریخ کے قتل کا جو الزام لگایا گیا ہے وہ نہایت بے بنیاد، بے دلیل اور بے تکی باتوں پر مشتمل ہے۔ کتاب میں کچھ باتیں ضرور ایسی ہیں جو قابل توجہ ہیں؛ مثلاً چند ایک مقامات پر حوالے نہیں ہیں، کسی جگہ کسی شخصیت کے ساتھ تعظیمی القاب نہیں ہیں، یا اردو صحافت کی فہرست میں عامر عثمانی صاحب کا نام نہیں وغیرہ، دوران تبصرہ ہم نے بھی اس جانب اشارہ کردیا ہے۔ لیکن یہ معمولی خامیاں کہی جاسکتی ہیں اس سے کسی کتاب کی معتبریت مجروح نہیں ہوتی، بلکہ ایسی خامیاں تو تقریباً ہر کتاب میں رہ جاتی ہیں۔ ان خامیوں کو تاریخ کا قتل تو کیا، تاریخ کے لئے ہلکے خراش کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ناقد کا فرض ہوتا ہے کہ وہ سنجیدگی، اعتدال اور دلائل سے اپنی بات رکھے، لیکن ان امور کا جناب ابوعکاشہ صاحب کے یہاں فقدان نظر آتا ہے۔

بہ حیثیت تاریخ، اگر تاریخ دارالعلوم اور جامع و مختصر تاریخ کا موازنہ کیا جائے تو بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ دونوں کے مشمولات کی بنیادی نوعیت (theme) میں زیادہ

فرق نہیں ہے؛ تاریخ دارالعلوم جس نہج اور ڈھرے پر لکھی گئی، جامع و مختصر تاریخ میں بھی بنیادی طور پر اسی نہج کو اپنایا گیا ہے۔ یہ بات دو دو چار کی عیاں ہے کہ جامع و مختصر تاریخ میں تاریخ دارالعلوم (مرتبہ سید محبوب رضوی) سے ہٹ کر کوئی اور تاریخ نہیں پیش کی گئی ہے، بلکہ بنیادی طور پر دارالعلوم کی اسی تاریخ کو نئی ترتیب، نئے زاویوں اور ضروری اضافوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

جمعیۃ علمائے ہند اور مولانا سید اسعد مدنی

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ 'تاریخ کے قاتل' کے مقاصد میں سے ایک مقصد خانوادۂ مدنی، خصوصاً حضرت مولانا سید اسعد مدنی اور جمعیۃ علمائے ہند کی عداوت اور ان سے عناد کا اظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں کئی سو صفحات محض مولانا سید اسعد مدنی اور جمعیۃ علمائے ہند کے سلسلے میں لکھے اور نقل کیے گئے ہیں۔

ہمیں جمعیۃ علمائے ہند یا حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی بے جا تائید کی ضرورت نہیں۔ مولانا سید اسعد مدنی اور جمعیۃ علمائے ہند کی بہت سی باتوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، ہر ذی شعور کو سنجیدگی سے اپنی بات رکھنے اور اختلاف کرنے کا حق ہے۔ لیکن فرضی نام رکھ کر مخالفت اور کردار کشی کا وطیرہ نہ ہی احقاق حق ہے اور نہ ہی جرأت، بلکہ حد درجہ بزدلی اور احساس کہتری کی دلیل ہے۔

مدنی خانوادے کی طرح عثمانی خانوادہ کیوں علمی و سیاسی میدان میں نہیں ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ انھوں نے کسی کو قائد ہی کب بننے دیا؟ ہم پوچھتے ہیں کہ آپ اتنے کمزور کیوں ہو گئے کہ آپ کو دبا دیا گیا تو دب گئے، بیٹھا دیا گیا بیٹھ گئے، آپ نے اپنا میدان کیوں نہیں بنایا؟ ملت اسلامیہ ہندیہ کی توجہ اپنی قیادت کے ذریعہ کیوں حاصل نہ کر سکے؟ کیا لوگ مدنی خانوادہ کے مخالف نہیں تھے، کیا ان کی راہ میں روڑے نہیں تھے؟ لیکن انھوں نے اپنا راستہ خود بنایا اور ملت اسلامیہ کا اعتماد حاصل کیا۔

دوسری طرف ندوۃ المصنفین جیسا عظیم الشان ادارہ عثمانی خاندان کو وراثت میں ملا۔ لیکن یاروں نے اس کا کیا حال کیا؟ قیمتی کتابیں کوڑے کے بھاؤ بیچی گئیں اور بالآخر ادارہ کا جنازہ نکال دیا گیا۔ کیا اس میں بھی کسی مدنی کا دخل تھا؟

یہ بھی عجیب ہے کہ دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ کے سلسلے میں جو بھی لٹریچر موجود ہے وہ تقریباً نوے فیصد مولانا اسعد مدنی کے فریق مخالف کا ہے۔ مولانا اسعد مدنی نے کبھی ایسے موضوعات پر لب کشائی نہیں کی۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے فریق کی طرف سے پروپیگنڈوں کا انبار لگا دیا گیا اور ایسے مضامین اور رسائل لکھے گئے جن میں ذاتی بغض و عناد اور کردار کشی نمایاں ہے؛ جب کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی طرف سے جو تھوڑا بہت لٹریچر ہے وہ نہایت سنجیدہ اور متوازن ہے۔

عجیب بات ہے جب کسی کی انگلی اٹھتی ہے تو دارالعلوم اور جمعیۃ پر، کیا اس ملک میں مجلس مشاورت، جماعت اسلامی، دارالعلوم وقف اور دیگر ادارے اور جماعتیں قائم نہیں ہوئیں؟ ملک اور قوم کی تعمیر و ترقی میں ان اداروں اور جماعتوں کا کیا کردار ہے، یہ کوئی پوچھنے نہیں جائے گا؟

اگر علم و تحقیق معیار ہوتا اور عدل و انصاف کیا جاتا تو پوچھا جاتا کہ مسلمانوں نے دیگر ادارے اور جماعتیں بھی قائم کیں، ان کا کردار کیا ہے؟ وہ صرف نشستند، خوردند و برخاستند کی تعبیر بن گئے۔ ایک صاحب نظر اور انصاف پسند محقق کو ان سب کا جائزہ لینا چاہیے، پھر بتانا چاہیے کہ کس کی کیا خدمات ہیں اور کتنی ہیں؟

اے اہل نظر! ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شئ کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا؟

علماء و اکابر کی شان میں گستاخی

صاحبِ تاریخ کے قاتل جناب ابو عکاشہ صاحب نے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، اراکین مجلس شوری دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی وغیرہم، مولانا مرغوب الرحمن بجنوری، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی، مولانا سید ارشد مدنی وغیرہم کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اگر اسے جمع کیا جائے تو وہ دشنام طرازی اور ہرزہ سرائی کا ایک مجموعہ ہو سکتا ہے۔

جناب ابو عکاشہ رحمان صاحب نے ایک فرضی نام سے بہ زعم خود 'احقاق حق' کے فریضہ کی انجام دہی کے طور پر یہ 'عظیم کتاب' تو لکھ ڈالی، لیکن وہ اتنی مزید 'جرأت ایمانی' نہ پیدا کر سکے کہ اپنا نام اور اپنی شناخت ظاہر کرتے۔ انھوں نے خود کو حیدرآبادی کہا ہے بلکہ حیدرآباد کے ایک کسی مدرسے سے تدریسی وابستگی کا ذکر کیا ہے، لیکن پوری کتاب پڑھنے کے بعد تقریباً یقین سا ہو چلا ہے کہ حضرت نہ ہی حیدرآبادی ہیں اور نہ حیدرآباد میں مقیم، بلکہ وہ دیوبندی ہیں اور دیوبند میں ہی یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو نہیں معلوم موصوف کی 'جرأت ایمانی' کیسے کذب بیانی پر آمادہ ہوئی ہوگی:

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

جناب ابو عکاشہ رحمان صاحب سے ایک دردمندانہ گزارش

اگر آپ دارالعلوم دیوبند کے ہمدرد اور غم خوار ہیں تو اس کذب و بہتان پر مبنی پروپیگنڈہ سے باز آجایئے۔ اگر آپ دارالعلوم دیوبند کے کی فکر سے متفق نہیں ہیں تو کھلے عام اس کا اعلان و اقرار کرنا چاہئے تھا اور مردوں کی طرح کھل کر سامنے آنا

چاہئے تھا۔ آپ نے جس طرح سے مودودیت کی تائید اور اس کا دفاع کیا ہے، علماء و اکابر کی شان میں گستاخیاں کی ہیں، اس میں کسی پہلو سے بھی مسلک دیوبند سے ہمدردی نظر نہیں آتی۔

یاد رکھیں کہ دارالعلوم دیوبند ان پر آشوب حالات میں سیلاب کا آخری بند ہے، اگر خدا نخواستہ خاکم بدہن علم وہدایت کا یہ سد سکندری ٹوٹ گیا تو جان لو کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ خدارا اس نعمت عظمیٰ کی قدر کر لو اور اپنے آپ کو اس عظیم الشان قلعہ کی جڑیں کھودنے والوں میں شامل کرنے سے بچو۔ اپنی ذاتی اور خاندانی پرخاشوں کو دارالعلوم کے کھلی اڑانے میں استعمال نہ ہونے دو۔ ورنہ علماء و اکابر اور دارالعلوم کے بدخواہوں اور گستاخوں کو زمانے کی آنکھوں نے دیکھا ہے کہ ان کا اور ان کی اولاد کا کیا حشر ہوا؟ ایسے بہتوں نے بہت سی علمی و ادبی کاوشیں بھی انجام دیں لیکن خلق خدا کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ بہار کے ایک گاؤں میں پیدا ہونے والے مناظر احسن گیلانی کی کتابیں لوگ ڈھونڈھ کر چھاپ رہے ہیں اور پڑھنے والے شوق سے پڑھ رہے ہیں، جب کہ دیوبند کے نامی خاندان کے عامر عثمانی کی شاندار علمی و ادبی کتابوں کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند، مولانا اسعد مدنی اور عثمانی خانوادہ کا نام نہیں ہے، بلکہ دارالعلوم، مولانا اسعد مدنی، عثمانی خاندان، مولانا قاری محمد طیب اور دیگر شخصیات سے بہت بلند و بالا ہے۔ اس لیے کسی بھی شخصیت کی مخالفت اور موافقت میں دارالعلوم کے وقار کو داؤ پر لگانا دارالعلوم سے محبت نہیں بلکہ اس سے دشمنی کے مترادف ہے۔

کیا جس دارالعلوم دیوبند کو وہ مسترد کر رہے ہیں اس سے بہتر کوئی ادارہ انھوں نے قائم کر لیا ہے؟ اگر آپ کے پاس متبادل ہوتا تو ہم کہتے کہ چلو یہ عظیم قلعہ پرانا اور فرسودہ ہو چکا ہے، نئے قلعے پر اعتماد کرتے ہوئے پرانے قلعے کو مسمار کر دیتے ہیں۔ کیا

یہ حقیقت نہیں کہ اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ برصغیر میں دارالعلوم دیوبند آپ کی مزعومہ کمزوریوں کے باوجود اعلیٰ ترین خدمات انجام دے رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ پر جگہ جگہ نہ صرف انگلی اٹھائی گئی، بلکہ نہایت پھوہڑ اور بھونڈے لفظوں میں ان کی کردار کشی کی گئی، لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان مزعومہ کمزوریوں کے باوصف دارالعلوم دیوبند، مجلس شوریٰ کے مبارک و مسعود نظام سے جڑا ہوا ہے۔ دارالعلوم جیسی مضبوط مجلس شوریٰ (ہیئت حاکمہ) پورے ہندوستان میں کسی مدرسہ و دارالعلوم کو میسر نہیں۔ دوسری طرف خود دیوبند اور دیوبند سے باہر بڑے بڑے ادارے شخصی اور موروثی ہو چکے ہیں۔ ان میں کتنی خامیاں اور بے ضابطگیاں پنپ رہی ہیں جو نظام مدارس کے لیے خطرہ ہیں، ان پر مصنف کتاب کی نظر نہیں جاتی اور ان کے اصلاح کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

'تاریخ دارالعلوم دیوبند' کا ایک تنقیدی جائزہ

ابوعکاشہ صاحب نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ سید محبوب رضوی صاحب کی 'تاریخ دارالعلوم دیوبند' کو بہت معتبر، مکمل اور لاثانی کتاب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

"محبوب رضوی نے ۱۹۷۶ء میں "تاریخ دارالعلوم دیوبند" نام سے دو جلدوں میں دارالعلوم کی مفصل اور معتبر تاریخ تحریر کی۔...... یہ سچ ہے کہ دارالعلوم کی تاریخ و تعارف کے لیے جیسا کام ہونا چاہیے تھا محبوب رضوی صاحب نے اسے اسی عزم و صداقت کے ساتھ انجام دیا۔ آج بھی اس کتاب کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ لیکن وائے کم نصیبی محبوب رضوی صاحب دیوبندی تھے، دیوبند کی علمی سرزمین سے ان کو نسبت تھی اور یہی بات دارالعلوم کے مصنوعی ہمدردوں کو پسند نہیں۔" (تاریخ کے قاتل، ص ۲۷)

انھوں نے تاریخ دارالعلوم دیوبند کو مثال میں پیش کر کے جگہ جگہ 'جامع و مختصر تاریخ' پر نہایت رکیک تبصرے کیے ہیں، نیز ارباب دارالعلوم پر یہ الزام لگایا ہے کہ تاریخ دارالعلوم کے ہوتے ہوئے دوسری تاریخ شائع کرنا غلط ہے اور ایسا کر کے دارالعلوم کے ذمہ داران تاریخ دارالعلوم دیوبند (مرتبہ سید محبوب رضوی) کو دفن کرنا چاہتے ہیں۔

سید محبوب رضوی صاحب اور ان کی علمی کاوشوں کے مکمل احترام کے ساتھ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ کسی فرد بشر کی کوئی علمی کاوش حرف آخر نہیں ہوتی اور اس میں بشری تقاضوں کے مطابق بہت ساری خامیاں موجود ہو سکتی ہیں، اور تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اس کتاب

میں بھی ترتیب و تالیف کی بہت بڑی بڑی خامیاں موجود ہیں، لیکن یہ اور بات ہے کہ ان پر واویلا نہیں مچایا گیا اور ان پر 'تاریخ کے قتل' کا الزام عائد نہیں کیا گیا۔

ذیل میں ہم نہایت اختصار کے ساتھ تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی کی انھیں خامیوں پر نظر ڈالیں گے:

پہلی خامی: دارالعلوم کے قیام سے پہلے مؤسسین کے احوال

آپ تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی کی جلد اول اٹھائیں، اس کتاب میں تمہیدی عناوین کے بعد اولاً کچھ بانیان دارالعلوم کے احوال مذکور ہیں اور دارالعلوم کے قیام کا ذکر بعد میں ہے، جب کہ طبعی ترتیب یہ تھی کہ دارالعلوم کے قیام کا تذکرہ ہوتا اور شخصیات کے تفصیلی احوال بعد کے ابواب میں دیے جاتے۔ آپ فہرست دیکھیں تو اس میں حضرت نانوتوی کے حالات بہت تفصیل سے ہیں جو بالکل ابتدا میں بہت بے تکے معلوم ہورہے ہیں۔ پھر سبھی بانیان کے احوال سید محبوب رضوی صاحب نے یہاں نہیں دیے ہیں بلکہ دوسری جلد میں صرف ان حضرات کے نام دیے ہیں جو دارالعلوم میں عہدۂ اہتمام وغیرہ پر فائز ہوئے، بہتر تھا کہ تمام شخصیات کے احوال ایک جگہ دیے جاتے۔ یہی حسن ترتیب کا تقاضہ تھا۔

عجیب بات ہے کہ یہاں سید محبوب رضوی صاحب نے تاریخ دارالعلوم جلد اول ص ۱۲۳ پر اکابر ستہ کا عنوان قائم کیا ہے اور حضرت نانوتوی کے علاوہ صرف دو حضرات (حضرت مولانا ذوالفقار صاحب اور حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب) کے احوال یہیں ذکر کر دیے ہیں؛ جب کہ بقیہ تین حضرات کے احوال دوسری جلد میں دیے گئے ہیں۔ پھر اس کے بعد ص ۱۲۵ پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے حالات دیے گئے ہیں اور ان کو اکابر ستہ میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

دوسری خامی: متعدد بنیادی اور اہم شخصیات کے احوال مذکور نہیں ہیں

تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی میں بانیان دارالعلوم کے احوال پر مشتمل کوئی عنوان نہیں ہے۔ نیز دارالعلوم دیوبند کی انتہائی اہم اور بنیادی شخصیات کے احوال نہیں دیے گئے ہیں۔ دارالعلوم کے قیام کے ذیل میں انھوں نے متعدد شخصیات کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں دیگر کچھ شخصیات کا ذکر خدا جانے کیوں موجود نہیں ہے۔ جن کا ذکر نہیں ہے، وہ درج ذیل حضرات ہیں:

(۱) مولانا مہتاب علی دیوبندی: دارالعلوم کی بانیوں میں سے ایک ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے جو پہلا اعلان شائع ہوا اس میں ان کا نام تیسرے نمبر پر ہے اور تاریخ دارالعلوم میں ہی اس اعلان کے سلسلے میں لکھا ہے: "یہ حضرات مجلس شوریٰ کے صرف رکن ہی نہ تھے بلکہ دارالعلوم کے اولین معمار تھے" (تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول، ص ۱۵۷)۔ دارالعلوم کے قیام سے پہلے دیوبند میں ان کا مدرسہ قائم تھا جس میں حضرت نانوتوی نے بھی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن افسوس ہے کہ ان کا پوری کتاب میں کہیں تذکرہ نہیں دیا گیا ہے۔

(۲) شیخ نہال احمد دیوبندی: دارالعلوم کی بانیوں میں سے ایک ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی جانب سے جو پہلا اعلان شائع ہوا اس میں ان کا نام چھٹے نمبر پر ہے اور تاریخ دارالعلوم میں ہی اس اعلان کے سلسلے میں لکھا ہے: "یہ حضرات مجلس شوریٰ کے صرف رکن ہی نہ تھے بلکہ دارالعلوم کے اولین معمار تھے"۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد اول، ص ۱۵۷) لیکن افسوس ہے کہ ان کا بھی پوری کتاب میں کہیں تذکرہ نہیں دیا گیا ہے۔

(۳) تیسری معروف شخصیت 'حضرت ملا محمود دیوبندی' کی ہے جو دارالعلوم دیوبند کے اولین استاذ ہیں، اور معمولی استاذ نہیں بلکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ان کے بارے میں کیا اعلی الفاظ لکھے ہیں (دیکھیں: جامع و مختصر تاریخ، ص ۵۷۰)۔ یہی وہ شخصیت ہے جو دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند کے اولین استاذ تھے اور ان دونوں کے ناموں کی وجہ سے دارالعلوم کے پہلے استاذ 'محمود' اور پہلے متعلم 'محمود' کی بات مشہور ہوئی۔ اس عظیم شخصیت کا تذکرہ آپ کو پوری کتاب میں کہیں نہیں ملے گا۔

تیسری خامی: پوری کتاب میں سرپرستان دارالعلوم پر کوئی مستقل عنوان نہیں اور ایک سرپرست کے احوال مذکور نہیں

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب اپنی کتاب 'دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی' میں فرماتے ہیں کہ دارالعلوم کے اعلی ذمہ دارانہ عہدے صرف چار ہی رہے ہیں : (۱) سرپرستی (۲) اہتمام(۳) صدارت تدریس (۴) افتاء۔ پہلے سرپرست حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، دوسرے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ، تیسرے سرپرست شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، چوتھے سرپرست حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوری اور پانچویں سرپرست حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ہوئے ہیں۔(ص ۹۴-۹۳)

لیکن پوری تاریخ دارالعلوم دیوبند میں سید محبوب رضوی صاحب نے سرپرستان دارالعلوم کا کوئی مستقل عنوان نہیں دیا ہے جس طرح کہ مشاہیر دارالعلوم، صدر مدرسین، ارباب اہتمام، مفتیان کرام کا عنوان دوسری جلد میں قائم کیا گیا ہے۔ہاں حضرت نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا تذکرہ پہلی جلد میں دیا گیا ہے، حضرت شیخ الہند کا تذکرہ مشاہیر اور صدر مدرسین کے ذیل میں اور حضرت تھانوی کا

تذکرہ مشاہیر کے ذیل میں ضرور کیا گیا ہے، البتہ حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوری کی سرپرستی کا ذکر اور ان کے احوال پوری کتاب میں کہیں موجود نہیں ہیں۔

اس اہم عہدے کا تقاضا تھا کہ صدر مدرسین، ارباب اہتمام وغیرہ کی طرح مستقل عنوان کے تحت سرپرستان کا تذکرہ کیا جاتا اور اس ذیل میں حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوری کے احوال بھی ذکر کیے جاتے۔

چوتھی خامی: بانیان دار العلوم کا کوئی مستقل عنوان نہیں

تاریخ دار العلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی میں بانیان دار العلوم دیوبند کے نام سے کوئی مستقل عنوان ہی نہیں ہے جب کہ متعدد مقامات پر دار العلوم کی بنا اور قیام میں شریک حضرات کے اسمائے گرامی ذکر کیے گئے ہیں، لیکن مستقل طور پر 'بانیان دار العلوم' یا اس مفہوم کے مستقل عنوان سے پوری کتاب خالی ہے جب کہ دوسری جلد میں مشاہیر دار العلوم، صدر مدرسین، ارباب اہتمام اور مفتیان کرام وغیرہ کے مستقل عناوین قائم کیے گئے ہیں، لیکن بانیان دار العلوم کا کوئی مستقل عنوان نہیں ہے۔ اوپر آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ دو بانیان (حضرت مولانا مہتاب صاحب دیوبندی اور حضرت شیخ نہال احمد صاحب) کے احوال پوری کتاب میں کہیں نہیں دیے گئے ہیں۔

پانچویں خامی: فضلائے دار العلوم کا ذکر پہلے اور صدر مدرسین، ارباب اہتمام وغیرہ کا ذکر بعد میں

آپ تاریخ دار العلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی کی دوسری جلد اٹھائیں۔ باب چہارم سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے جس کے اندر مشاہیر فضلائے دار العلوم کا بیان ہے۔ اس کی ابتدا مولانا میر باز خان، مولانا فتح محمد تھانوی، مولانا محی الدین مرادبادی وغیرہ سے ہوتی ہے۔ پھر پانچویں باب میں صدر مدرسین حضرات کا ذکر ہے جس میں

حضرت مولانا یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا سید احمد دہلوی، حضرت شیخ الہند، حضرت علامہ کشمیری وغیرہ کا ذکر ہے۔ پھر اسی باب میں ارباب اہتمام، دارالعلوم کے مفتیان کرام کا ذکر ہے۔

سوال یہ ہے کہ درخت پہلے ہے یا پھل، پہلے استاذ ہے یا پہلے شاگرد۔ یہ ترتیب کا بہت بڑا نقص ہے کہ طلبہ کو پہلے ذکر کیا گیا اور اساتذہ وارباب انتظام کو بعد میں ذکر کیا گیا۔

چھٹی خامی: تاریخ دارالعلوم میں ۱۵ (پندرہ) شخصیات کے احوال مکرر ہیں

تاریخ دارالعلوم جلد دوم کے باب چہارم مشاہیر کے ذیل میں ۱۵/ ایسی شخصیات کے احوال دیے گئے ہیں جن کا ذکر باب پنجم میں صدر المدرسین، ارباب اہتمام اور مفتیان کے ذیل میں ہو بہو مکرر ہے۔ تکرار اور وہ بھی تقریباً ۴۵ صفحات کا، ترتیب کی بہت بڑی خامی ہے۔

تکرار کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

شمار	نام	باب چہارم صفحہ	باب پنجم صفحہ (مکرر)
۱	شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی	۳۳تا۳۶	۱۷۹-۱۸۲
۲	مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی	۴۵تا۴۸	۲۴۶تا۲۵۱
۳	مولانا حافظ محمد احمد دیوبندی	۵۶تا۵۸	۲۲۸تا۲۳۲
۴	مولانا حبیب الرحمن دیوبندی	۵۸تا۶۰	۲۳۳تا۲۳۵
۵	مولانا محمد انور شاہ کشمیری	۷۲تا۷۶	۲۰۱تا۲۰۷
۶	مولانا سید حسین احمد مدنی	۸۲تا۸۴	۲۰۸تا۲۱۱

۷	مولانا محمد سہول بھاگل پوری	۸۹	۲۵۶
۸	مولانا اعزاز علی امروہوی	۹۳تا۹۶	۲۵۱تا۲۵۴
۹	مولانا شبیر احمد عثمانی	۹۸تا۱۰۲	۲۳۹تا۲۴۴
۱۰	مولانا محمد ابراہیم بلیاوی	۱۰۳تا۱۰۵	۲۱۵تا۲۱۷
۱۱	مولانا سید فخر الدین احمد	۱۰۵تا۱۰۸	۲۱۲تا۲۱۵
۱۲	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۰تا۱۳۱	۲۵۵تا۲۵۶
۱۳	مولانا قاری محمد طیب دیوبندی	۱۳۳تا۱۳۶	۲۳۵تا۲۳۹
۱۴	مولانا سید فخر الحسن مرادآبادی	۱۶۱تا۱۶۲	۲۱۹تا۲۲۰
۱۵	مولانا شریف الحسن دیوبندی	۱۶۸تا۱۶۹	۲۱۸تا۲۱۹

ان پندرہ شخصیات کا تعارف دوسری جلد میں مکرر دیا گیا ہے، بعض شخصیات کا تعارف تو من و عن مکرر ہے جب کہ بعض شخصیات کے تذکرہ میں کچھ ترتیب وغیرہ کا فرق ہے۔ لیکن بہر حال تقریباً چالیس پینتالیس صفحات مکرر ہیں۔

حیرت ہے کہ ایک طرف تو متعدد اہم بانیان و اراکین کے احوال تاریخ دارالعلوم میں نہیں دیے گئے ہیں اور دوسری طرف تقریباً پندرہ حضرات کے تذکرے مکرر دیے گئے ہیں۔

ساتویں خامی: طویل المدت اساتذۂ درجۂ علیا کے احوال بھی شامل کتاب نہیں

آگے بڑھیے۔ دارالعلوم دیوبند کے متعدد اساتذۂ درجۂ علیا جنھوں نے نہ صرف اسی ادارے میں تعلیم حاصل کی بلکہ اسی ادارے کو اپنی علمی و تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا ان کے احوال تاریخ دارالعلوم نہیں دیے گئے ہیں جب کہ مشاہیر دارالعلوم کے ذیل میں ان فضلاء کے نام بہت اہمیت سے دیے گئے ہیں جو صرف دارالعلوم سے

تعلیم حاصل کر کے دیگر اداروں میں شہرت کے بام عروج پر پہنچے۔ حق تو یہ تھا کہ ان فضلاء کے ساتھ ساتھ ان مشہور و معروف اکابر اساتذہ کو لازمی طور پر شامل کیا جاتا جن کی زندگی دارالعلوم میں تدریس اور نظم و انتظام میں گذری۔ عجیب بات ہے کہ مفتیان کرام کے ذیل میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی اور حضرت مفتی نظام الدین اعظمی کے اسمائے گرامی شامل ہیں، لیکن درجۂ علیاء کے متعدد اساتذہ کو کسی خانے میں کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے، بلکہ بعض تو ایسے ہیں جن کا صرف نام بھی پوری کتاب میں کہیں نہیں آیا ہے۔

بہر حال ایسی کچھ اہم اور نمایاں شخصیات کے نام ذیل میں دیے جا رہے ہیں:

شمار	نام	عہدہ	از-تا	مدت
۱	حضرت مولانا محمد جلیل کیرانوی	استاذ درجۂ علیا	۱۳۵۰تا۱۳۸۸ھ	۳۸ سال
۲	حضرت مولانا بشیر احمد بلند شہری	استاذ نائب مہتمم	۱۳۶۲تا۱۳۸۶ھ ۱۳۸۴تا۱۳۸۵ھ	۲۴ سال
۳	حضرت مولانا سید مبارک علی نگینوی	نائب مہتمم	۱۳۵۰تا۱۳۸۸ھ	۳۸ سال
۴	حضرت مولانا میاں اختر حسین دیوبندی	استاذ ناظم تعلیمات	۱۳۴۴تا۱۳۹۷ھ ۱۳۸۷تا۱۳۹۷ھ	۵۳ سال
۵	حضرت مولانا نبیہ حسن دیوبندی	استاذ	۱۳۲۷تا۱۳۵۱ھ	۲۴ سال
۶	حضرت مولانا عبد السمیع دیوبندی	استاذ	۱۳۲۹تا۱۳۶۶ھ	۳۷ سال
۷	حضرت مولانا قاضی مسعود احمد دیوبندی	استاذ و نائب مفتی	۱۳۳۲تا۱۳۸۴ھ	۵۲ سال

۸	حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندی	استاذ درجہ علیا	۱۳۴۹تا۱۳۶۲ھ، دوبارہ۱۳۶۷تا۱۳۸۳ھ	۲۹ سال
۹	حضرت مولانا عبد الاحد دیوبندی	استاذ درجہ علیا	۱۳۵۸تا۱۴۰۰ھ	۳۹ سال
۱۰	حضرت مولانا سید حسن دیوبندی	استاذ درجہ علیا	۱۳۵۷تا۱۳۸۱ھ	
۱۱	حضرت مولانا معراج الحق دیوبندی	استاذ نائب مہتمم	۱۳۶۳تا۱۴۱۲ھ ۱۳۸۶تا۱۳۹۶ھ / ۱۹۶۶تا۱۹۷۶ء	۳۴ سال
۱۲	حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی	استاذ درجہ علیا	۱۳۶۶تا۱۴۰۲ھ	۲۴ سال
۱۳	حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری	استاذ درجہ علیا	۱۳۶۷تا۱۴۱۲ھ	۳۰ سال
۱۴	حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی	استاذ درجہ علیا	۱۳۷۰تا۱۴۰۲ھ	۲۶ سال
۱۵	مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری	استاذ درجہ علیا	۱۳۷۳تا۱۴۰۲ھ	۲۳ سال
۱۶	حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمی	استاذ درجہ علیا	۱۳۸۰تا۱۳۹۲ھ	۱۲ سال
۱۷	حضرت مولانا خورشید عالم دیوبندی	استاذ درجہ علیا	۱۳۸۳تا۱۴۰۲ھ	۱۴ سال
* مدت خدمت تا ترتیب تاریخ دار العلوم				

آٹھویں خامی: اراکین مجلس شوری کی نہ فہرست ہے اور نہ ہی اہم اراکین کے احوال مذکور ہیں

تاریخ دارالعلوم دیوبند میں مجلس شوری جیسی اہم جماعت کی جو دارالعلوم دیوبند کی ہیئت حاکمہ ہے اس کی نہ فہرست دی گئی ہے اور نہ ہی طویل المدت اور اہم اراکین کے احوال ذکر کیے گئے ہیں۔ جلد دوم میں ص ۳۱۱ تا ۳۱۲ پر مجلس شوری کے ابتدائی ارکان اور موجودہ ارکان کے نام دیے گئے ہیں اور بس۔ مشاہیر دارالعلوم کی فہرست میں آپ کو کچھ مشہور اراکین کے نام مل جائیں گے، لیکن بہت سے اہم اراکین کا تذکرہ مشاہیر کے ذیل میں بھی نہیں آسکا ہے۔

دیگر خامیاں

تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سید محبوب رضوی میں یہ تو بڑی خامیوں کا ذکر تھا، اس کے علاوہ دیگر چھوٹی موٹی تسامحات بھی بہت ہیں جو معمولی غور و خوض یا تقابل کے بعد محسوس ہوئیں جن میں چند حسب ذیل ہیں:

☆	تاریخ دارالعلوم میں مشاہیر کے تحت مختلف ایسی شخصیات کا ذکر ہے جن کے بارے میں بالکل واضح نہیں ہوتا کہ انھوں نے دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی ہے یا نہیں۔ اسی ذیل میں حضرت نانوتوی یا حضرت گنگوہی کے شاگردوں کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں تھا، لیکن تمام مشاہیر شاگردان کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ علمائے مشاہیر کے ذیل میں کچھ کو شامل کرنے اور کچھ کو نکالنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔
☆	تاریخ دارالعلوم میں مشاہیر کے تحت خاص طور پر حضرت کشمیری کے تلامذہ میں بہت سے مشہور علماء کا نام شامل نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ مثلاً صفحہ ۱۳۶ پر مولانا محمد چراغ گجرانوالی کے احوال محض چند

	سطور میں ہیں اور ان کی العرف الشذی کی ترتیب کا ذکر ہے۔ اسی طرح صفحہ ۱۴۱ پر مولانا نجم الدین جہلمی کا ذکر محض چار سطور میں ہے۔ لیکن حضرت کشمیری کے شاگرد خاص اور داماد حضرت مولانا احمد رضا بجنوری کا ذکر نہیں دیا گیا ہے جب کہ انھوں نے حضرت کشمیری کے علوم پر متعدد اہم کتابیں رقم کی ہیں۔
☆	مولانا عبد العلی میرٹھی دارالعلوم کے فاضل نہیں ہیں، بلکہ حضرت نانوتوی کے شاگرد ہیں۔ مولانا عبد العلی میرٹھی دارالعلوم میں دو بار مدرس ہوئے۔ ان کے تذکرہ میں متعدد تسامحات ہیں۔
☆	مولانا بنوری دارالعلوم میں داخل ہوئے تھے، فراغت نہیں ہوئی تھی۔ تاریخ دارالعلوم میں فراغت کا ذکر ہے۔ مفتی محمود پاکستانی فاضل دارالعلوم نہیں ہیں۔پاکستان سے شائع سوانح میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔
☆	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی تاریخ پیدائش غلط ہے۔ دیکھیں تاریخ دارالعلوم و تذکرۃ الرشید
☆	مولانا فخر الحسن پہلے نائب صدر مدرس اور بعد میں حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے انتقال کے بعد صدر المدرسین ہوئے۔ تاریخ دارالعلوم میں حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی کے بعد صدر مدرس ہونے کا ذکر ہے جو غلط ہے اور نیابت کا بالکل ذکر نہیں۔
☆	تاریخ دارالعلوم میں خدمات کا ذکر بہت مختصر اور نامکمل ہے۔ بہ مشکل سو صفحات میں صرف چند عناوین پر خدمات کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ تقریباً اسی (۸۰) صفحات میں واردین کے تاثرات نقل کیے گئے ہیں اور چودہ (۱۴) صفحات میں مثنویٔ فروغ اور صاحب مثنوی مولانا عبد الکریم فروغ دیوبندی کا ذکر ہے۔

☆	عموماً سن عیسوی کا التزام نہیں کیا گیا ہے اور صرف سن ہجری پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

خلاصۃ الکلام

اگر تعصب وعناد کی عینک اور طنز و تشنیع کے کیل کانٹوں سے لیس ہو کر کوئی تاریخ دارالعلوم کا مطالعہ کرے اور ہر بات کی دلیل میں ایک کتابچہ یا رسالہ نقل کردے تو وہ 'تاریخ کے قاتل' سے زیادہ ضخیم کتاب پیش کرسکتا ہے۔ لیکن ایسی سطحی کتابوں کی اہل علم کے یہاں کوئی اوقات نہیں اور ایسی کتابیں تنقید و تبصرہ کے بازار میں کسی شمار و قطار میں نہیں۔

بہر حال ہم اس سلسلے کو یہیں بند کرتے ہیں۔ ہم نے دل پر پتھر رکھ کر محض ابوعکاشہ صاحب کے اس دعوے کی تردید میں یہ صفحات سیاہ کیے ہیں کہ تاریخ دارالعلوم کامل و مکمل اور لاثانی تھی اور اس کے نقش ثانی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہم حضرت سید محبوب صاحب رضوی دیوبندی کے لیے دعاگو ہیں کہ اللہ تعالی ان کی خدمات کا انھیں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہ ایک اچھے مصنف اور مؤرخ تھے اور انھوں نے پورے خلوص و للّٰہیت کے جذبے سے یہ خدمات انجام دیں۔ بشری تقاضوں کی بنیاد پر کچھ خامیاں ہر کتاب میں رہ جاتی ہیں، اس سے مصنف کی شخصیت کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا، اس کی نادانستہ غلطیوں کو خیانت، تعصب اور حسد و کینہ کا عنوان دینا اور اس کی ذاتیات کو نشانہ بنانا نہایت بے غیرتی، بے ایمانی اور حد درجہ رذالت کا کام ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو بدظنی اور سوءادب سے محفوظ رکھے۔ آمین

'دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ' کا سرسری جائزہ

ہمیں افسوس ہے کہ ماضی و حال میں دارالعلوم کے ایک سے ایک لائق و فائق علماء و فضلاء اور اصحاب قلم ہوئے ہیں لیکن کسی نے بھی دارالعلوم کی تاریخ کو اپنا موضوع نہیں بنایا۔ ایک سید محبوب رضوی صاحب نے کوشش کی، لیکن وہ بھی فارغ التحصیل عالم نہیں تھے۔ دوسری طرف دیگر زبانوں میں خصوصاً عربی میں کوئی قابل ذکر کوشش بالکل بھی نہ کی گئی، جب کہ ماشاء اللہ ایک سے ایک فضلاء اور علماء موجود ہیں، لیکن کسی نے بھی اس سمت پیش قدمی نہیں کی۔

تاریخ دارالعلوم دیوبند تقریباً سو سال کی تاریخ کا احاطہ کرتی ہے۔ اب دارالعلوم کے قیام کو ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ جامع و مختصر تاریخ کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد اللہ قاسمی نے چار زبانوں (اردو، ہندی، انگلش اور عربی) میں جامع و مختصر مجموعوں کا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ ایک ایسی کوشش ہے جس کی پذیرائی ہونی چاہیے اور اگر اس میں کوئی خامی اور خرابی ہو تو اس کے ازالے کی سنجیدہ کوشش ہونی چاہیے، نہ یہ کہ کردار کشی پر اتر آیا جائے اور دارالعلوم واکابر دارالعلوم کے خلاف ذاتی عداوت نکالی جانے لگے۔

اس کتاب کی ابتدا میں آپ نے تاریخ دارالعلوم دیوبند اور جامع و مختصر تاریخ کے مشمولات کی قدرے تفصیل ملاحظہ فرمالی ہے۔ تاریخ دارالعلوم میں جو ضروری تفصیلات آگئی تھیں، جامع و مختصر تاریخ میں ان کی تلخیص آگئی ہے اور دوسری طرف جہاں اضافے ناگزیر تھے انھیں جگہ دی گئی ہے۔ جامع و مختصر تاریخ میں دارالعلوم کی ہمہ جہتی خدمات کو سولہ اہم عناوین کے تحت بیان کیا گیا ہے جو دارالعلوم کی عظیم الشان تاریخ کا انتہائی درخشاں پہلو ہے۔ دارالعلوم کے ذریعہ شروع ہونے والی تحریک

مدارس کا فروغ، علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت، تحفظ اسلام، دفاع اسلام، تبلیغ اسلام اور ملک و ملت کے تئیں فضلائے دارالعلوم کی خدمات پر توجہ کی ضرورت تھی جس کو اس کتاب میں جمع کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔

دوسری طرف دارالعلوم سے وابستہ شخصیات کو خاص طور پر جگہ دی گئی ہے۔ تاریخ دارالعلوم میں دارالعلوم کے اہل مناصب اور مشاہیر فضلاء پر تو توجہ دی گئی تھی، لیکن دارالعلوم میں لمبی مدت تک تدریس و انتظام سے جڑی رہنے والی شخصیات کو جگہ نہیں مل سکی تھی۔ جامع و مختصر تاریخ نے اس کمی کو پورا کرتے ہوئے ان حضرات کو تاریخ میں کماحقہ جگہ دی۔

دارالعلوم کے نصاب تعلیم کے عنوان سے جتنی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے، میری معلومات کے مطابق اتنی کہیں نہیں ملتی۔ ابتدائی دینیات سے تکمیلات و تخصصات کے نصاب کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

دارالعلوم کے سالانہ احوال و کوائف کو جس طرح تاریخ دارالعلوم کی جلد اول میں نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ احوال و کوائف کو ٹائم لائن کی شکل میں بیان کرنے کا طریقہ زیادہ بہتر محسوس ہوتا ہے۔

اسی طرح دارالعلوم کے سلسلے میں مہمانوں اور زائرین کے تاثرات کو اس کتاب میں جس طرح صرف مشاہیر تک محدود رکھا گیا ہے وہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیوں کہ تاریخ دارالعلوم میں ایسے بہت سے افراد کے تاثرات شامل کر لیے گئے ہیں جو اُس وقت شاید کچھ اہمیت رکھتے ہوں لیکن اب مزید ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ نیز، جامع و مختصر تاریخ میں دارالعلوم کے تئیں جو شعراء کے تاثرات شامل کیے گئے ہیں وہ تو نور علیٰ نور ہیں۔

'شخصیات دارالعلوم ایک نظر میں' کے تحت دارالعلوم کے عہدہ داران، اراکین مجلس شوریٰ، اساتذہ و نظماء کی جو فہرست کی دی گئی ہے وہ بھی ایک اچھی کوشش ہے؛ لیکن اس میں ابھی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ جس طرح درجات عربی کے ماضی کے

اساتذۂ کرام کی فہرست دی گئی اسی طرح درجہ حفظ و تجوید اور دیگر درجات کے سابق اساتذہ کی فہرست بھی شامل کرنی چاہیے تھی۔ اسی طرح صرف موجودہ نظماء و عہدہ داران کی فہرست دی گئی، مناسب تھا کہ شعبہ جات کے سابق ذمہ داران کی فہرست بھی دی جاتی۔ شخصیات کے ذیل میں دارالعلوم کی عالمی حیثیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، ملیشیا، ساؤتھ افریقہ اور برطانیہ و امریکہ کی ان شخصیات کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جنھوں نے دیوبند سے اکتساب فیض کیا اور اب اپنے ملکوں میں اہم علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اس کتاب میں سن ہجری کے ساتھ سن عیسوی کا عمومی طور پر التزام کیا گیا ہے اور اخیر میں ہجری و عیسوی سنین کی تطبیق بھی دے دی گئی ہے۔ یہ بھی ایک قابل ستائش کوشش ہے؛ کیوں کہ عیسوی کیلنڈر کے عمومی چلن کی وجہ سے اب ہجری تاریخ سے زمانے کے تعین میں اچھے خاصے پڑھے لکھوں کو پریشانی ہوتی ہے۔ اسی طرز پر کتاب میں ایڈیکس (اشاریہ) نہیں ہے، اگر ہوتا تو کتاب کی افادیت مزید بڑھ جاتی۔

مجموعی طور پر دارالعلوم کی تاریخ پر یہ ایک قابل ستائش کام ہے۔ ضرورت ہے کہ دارالعلوم کے مختلف پہلوؤں پر مزید علمی و تحقیقی کام ہوں اور فضلائے دیوبند کے کارناموں کو دنیا کے سامنے مختلف زبانوں میں لایا جائے۔ دارالعلوم دیوبند کو منظم اور منصوبہ بند طور پر اس سمت پیش قدمی کرنے چاہیے۔

ہم ڈاکٹر مفتی محمد اللہ قاسمی جیسے نوجوان قلم کار اور باصلاحیت اسکالر سے امید کرتے ہیں کہ وہ 'تاریخ کے قاتل' کی یاوہ گوئیوں اور بے بنیاد الزامات سے دل شکستہ نہیں ہوں گے بلکہ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود اپنا علمی سفر جاری رکھیں گے، بقول شاعر (سید صادق حسین):

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

واللہ الموفق وھو المعین

ماخذ و مراجع

- تاریخ کے قاتل، مصنفہ ابو عکاشہ رحمان، طباعت: اے پی آفسیٹ پریس حیدرآباد، سن اشاعت: جنوری ۲۰۱۹ء
- تاریخ دارالعلوم دیوبند، مرتبہ سید محبوب رضوی، طابع و ناشر: ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند، طباعت جلد اول ۱۹۹۲ء، طباعت جلد دوم ۱۹۹۳ء
- دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، مرتبہ مولانا محمد اللہ قاسمی، ناشر: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند، اشاعت دوم، دسمبر ۲۰۱۶ء
- دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، مرتبہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب، ناشر: دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند، ۱۹۶۵ء
- روئداد سال سی و یکم (۳۱) مدرسہ اسلامی عربی دیوبند، بابت سن ہجری ۱۳۱۳ھ، باہتمام محمد عبد الاحد، مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی
- روئداد سال چہل و دوم (۴۲) مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند، بابت سن ۱۳۲۴ھ، باہتمام محمد عبد الاحد، بہ ماہ اکتوبر ۱۹۰۷، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
- قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی: احوال و آثار، باقیات و متعلقات، مرتبہ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، مکتبہ نور کاندھلہ، ۲۰۰۰ء
- نفحۃ العنبر فی حیاۃ امام العصر انور، مرتبہ مولانا محمد یوسف بنوری، مجلس علمی کراچی، ۱۹۶۹ء
- دارالعلوم دیوبند کا قضیہ عوام کی عدالت میں، مصنفہ مولانا محمد منظور نعمانی، ناشر: دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند، ۱۹۸۲ء
- تذکرہ فدائے ملت (مجموعہ مقالات سیمینار)، مرتبہ مفتی محمد سلمان منصور پوری، ناشر: دفتر جمعیۃ علمائے ہند، ۲۰۱۲ء
- عکس احمد، مرتبہ محمد شکیب قاسمی، محمد نوشاد قاسمی، ناشر: حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند، مئی ۲۰۱۴ء
- کفایت المفتی (جلد اول)، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مطبوعہ ۱۹۶۹ء
- جواہر الفقہ (جلد اول)، مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی، ناشر: دارالعلوم کراچی، نومبر ۲۰۱۰ء
- دارالعلوم دیوبند نمبر، ماہنامہ الرشید لاہور، فروری و مارچ ۱۹۷۶ء مطابق صفر و ربیع الاول ۱۳۹۶ھ (مدیر: مولانا عبد الرشید ارشد)
- دارالعلوم دیوبند: ایک اجمالی تعارف، ماہنامہ دارالعلوم، نومبر و دسمبر ۱۹۹۴ء (مرتب: مولانا حبیب الرحمن قاسمی)
- امیر الہند نمبر، ہفت روزہ الجمعیۃ، دفتر جمعیۃ علمائے ہند، مارچ ۲۰۱۱ء

اس کتاب سے آپ کو معلوم ہوگا کہ

- 'تاریخ کے قاتل'؛ نقد و تحقیق کے کسی معیار پر نہیں اترتی، بلکہ دراصل یہ نقد و تحقیق کے نام پر ذاتی عناد و تعصب اور مغلاکت کا ایک مجموعہ ہے۔ پوری کتاب ایک خاص خاندانی پس منظر، ذاتی بغض و عناد اور تنقید محض کے مقصد سے لکھی گئی۔ اس کا زبان و بیان اور اسلوب نگارش انتہائی سوقیانہ اور بے حد سطحی ہے۔

- تاریخ دار العلوم (مرتبہ سید محبوب رضوی) اور جامع و مختصر تاریخ کے موازنے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں کے مشمولات کی بنیادی نوعیت (theme) میں زیادہ فرق نہیں ہے؛ تاریخ دار العلوم جس نہج پر لکھی گئی، جامع و مختصر تاریخ میں بھی بنیادی طور پر اسی نہج کو اختیار کیا گیا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جامع و مختصر تاریخ میں تاریخ دار العلوم سے ہٹ کر کوئی اور تاریخ نہیں پیش کی گئی ہے، بلکہ بنیادی طور پر ایک ہی تاریخ کو نئی ترتیب، نئے زاویوں اور ضروری اضافوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

- 'تاریخ کے قاتل' نے عثمانی خاندان اور دیوبندی شخصیات کو نظر انداز کرنے کا جو الزام لگایا ہے وہ نہ صرف بے بنیاد ہے بلکہ کذب و مغالطہ آمیزی پر مبنی ہے۔ 'جامع و مختصر تاریخ' میں عثمانی خانوادہ کے علماء و مشائخ اور دیوبند کی شخصیات کا جتنا ذکر ہے اتنا تاریخ دار العلوم دیوبند (مرتبہ سید محبوب رضوی) وغیرہ میں بھی نہیں ہے۔

- مرتب جامع و مختصر تاریخ پر مدنی خانوادہ کی چاپلوسی اور تملق کا الزام بھی بیہودہ اور بے بنیاد ہے۔ 'تاریخ کے قاتل' کے مصنف مدنی خانوادہ اور جمعیۃ علمائے ہند کی عداوت و دشمنی اور عناد میں حد سے آگے نکل گئے ہیں۔

- 'تاریخ کے قاتل' میں مودودیت کا بے جا دفاع کیا گیا ہے اور دار العلوم کی عظمت و رفعت پر بٹہ لگانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔

- 'تاریخ کے قاتل' کے ذریعہ حضرات اکابر و مشائخ دار العلوم کی گستاخی اور سابق مہتمم دار العلوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو ناکارہ مہتمم قرار دینے کی کوشش بھی نہ صرف قابل مذمت ہے بلکہ حقائق سے عاری بھی ہے۔

- 'تاریخ کے قاتل' میں چالیس سے زائد رسائل و مضامین شامل کر کے اس کی ضخامت بڑھائی گئی ہے۔ یہ رسائل و مضامین مجموعی طور پر تقریباً ۶۵۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔